پطرس بخاری
www.pdfvalley.com
کے خطوط

پطرس کے خطوط

پطرس کے خطوط

پطرس بخاری

مکتبہ اُردو ادب لاہور

۱۴۹۵/ بی ـــــ اندرون لوہاری گیٹ

ناشر . . . . سرفراز احمد

مطبع . . . . منظور پریس لاہور

قیمت . . . . دس روپے

بنام عبدالمجید سالک

۱

نیویارک

۱۳ اگست ۱۹۵۱ء

برادر محترم!

سلام مسنون! گرامی نامہ ملا۔ لاہور کا نقشہ واقعی بدل گیا ہو گا۔
آپ کی (کا؟) شہر آشوب پڑھ کر افسوس ہوا۔ آپ کو خط لکھنا
مبارک ہوا۔ کیونکہ اسی دوران میں ن۔م۔ راشد کا خط بھی ملا۔ جس
میں حفیظ (ہوشیارپوری) کی تازہ تاریخ گوئی کا لطیفہ شگفتگی کا باعث
ہوا۔ نہ سنا تو سنا دوں۔ راشد نے جدید شعرا پر ایک مضمون لکھا۔ جس
کے بعض فقرے حفیظ .. جب (جالندھری) کو گراں گذرے، انہوں نے
تاؤ کھا کر راشد کو یہ شعر لکھ بھیجا ؎

خبث دردل دکھادیا ہر دہن غلیظ نے
کچھ نہ کہا حفیظ نے ہنس دیا مسکرادیا

اِس پر حفیظ (ہوشیار پوری) نے اِس واقعہ کی تاریخ کہی۔ چہ خیبت درو ں (سنہ ۱۳۷۰ھ) راشد نے چند اُردو کی کتابیں بھی بھیج دیں۔ جن سے شب د روز میں کچھ رنگینی پیدا ہوگئی۔ آپ کو خط لکھنے سے طبیعت کا "یخ" ٹوٹا تو سلیمان صاحب کو بھی ایک خط لکھ دیا۔ اگر انہیں جواب کی توفیق ہوئی۔ تو دل میں لہو کی ایک اور بوند نظر آنے لگے گی۔ بہرحال محض انہیں مخاطب کر کے بھی ترسیل ملاقات کا مزہ تو آ ہی گیا۔ اگلے دن ایک کتب فروش کے ہاں ملک راج آنند کی ایک تازہ تصنیف انڈین تھیٹر نظر آئی۔ کتاب مختصر ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے پڑھ لی۔ بڑے طمطراق اور شان و شکوہ سے چھپی ہے۔ لیکن جہل اور تعصب کا عجیب و غریب مرقع ہے۔ آندھرا تھیٹر اور بنگالی تھیٹر کو بہت سراہا ہے۔ لیکن ہندوستانی تھیٹر کے عنوان کے تحت بس بہت کچھ زہر اُگلا ہے۔ خواجہ احمد عباس اور پرتھوی راجکپور کو تھیٹر کا امام قرار دیا ہے۔ آغا حشر کے متعلق کہا ہے کہ - - - - - - - -

"A HACK WRITER CALLED AGHAHASHR A THIRDRATE POETASTER -"

اور اسی قسم کی اور خرافات بک کر آغا حشر کو تین چار سطروں میں ٹرخا دیا ہے۔ تن بدن میں آگ لگ گئی۔ سالہا سال سے امتیاز سے التجا کرتا چلا آیا ہوں۔ کہ آؤ ہم مل کر اُردو تھیٹر پر ایک کتاب لکھیں۔ اُردو میں بھی اور انگریزی میں بھی۔ ہمارے انتقال کے بعد کوئی یہ کام نہ کر

پائے گا ۔ جو مسالہ ہمارے پاس موجود ہے اور جتنی جوانی ہم نے تھیٹر پہ
چھڑکی ہے ۔کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتی ۔لیکن اُنہوں نے توجہ نہ کی۔
فلم سازی انہیں ایسی چمپٹی ہے کہ ان کی علم دوستی خواب اور افسانہ بن کر
رہ گئی ہے ۔ ان کے بغیر یہ کام مجھ اکیلے کے بس میں نہیں ۔ذخیرہ سب
ان کے پاس ہے اور وہ متحدہ کھیلوں سے واقف ہیں ۔جن کا مجھے صرف
نام معلوم ہے ۔آپ کو یہ داستان درد اس لئے سُنا رہا ہوں کہ اگر
اِن کی طبیعت میں اکتاہٹ بھر سے نہ پیدا ہو سکے ۔تو آپ اس کام
کا بیڑا کیوں نہیں اُٹھاتے ۔ مانا کہ آپ کراچی میں ہیں اور میں نیویارک
میں اور نہ معلوم یہ بُعد کب تک رہے گا ۔تاہم یہ مشکل ایسی نہیں کہ
اسے پھاند نہ سکیں ۔جب تک ہم لوگ زندہ ہیں ۔ یہ امر محال نہیں ۔
موت رستے میں حائل ہو گئی ۔تو کوئی اسے نہ پھاند سکے گا ۔لیکن "حالیا
غلغلہ" تو "پھینک" سکتے ہیں ۔

ہندوستان سے جو تناؤ ہے ۔ اِس کی خبر محض سرکاری ذرائع
سے ہم تک پہونچتی ہے ۔تفصیلات سے تشنہ رہتے ہیں ۔ اس لئے
طبیعت متفکر رہتی ہے ۔ نہ معلوم نہرو صاحب کے سَر میں کیا سودا
سمایا ہے کہ حق و راستی اور صلح کوشی سے اُنہوں نے آنکھیں
بند کر لی ہیں ۔ شائد آئندہ الیکشن کی ہوس نے عمل و فکر میں
کجی پیدا کر دی ہے ۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹنڈن نے اِن
کے ڈنڈ نا کر رکھا ہے ۔خدا ہم لوگوں کا حامی و ناصر ہو۔ پاکستان

کی ہمت اور پاکستان کے لیڈروں کی دانائی اور مدبری کے سب لوگ یہاں قائل ہیں اور بیشتر از بیش کالم نویس ان کے معترف بنتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن کوئی خدا کا بندہ ہندوستان کے کان نہیں مروڑتا۔ سب اپنا اُلو سیدھا کرتے ہیں۔

مجیدؔ لاہوری صاحب کا سلام پہنچا۔ خدا انہیں خوش رکھے۔ اِن سے ملاقات افسوس کہ بہت مختصر ہُوئی ہے۔ تاہم یار زندہ صحبت باقی۔ انہیں میرا سلام شوق بھی پہنچا دیجئے۔

خاکسار

بخاری

۲

نیو یارک

۱۶ ستمبر ۱۹۵۱ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون! اُمید ہے آپ معہ الخیر لاہور پہنچ گئے ہوں گے۔ انقلاب کے معطل ہو جانے کے بعد آپ اغلباً مسلم ٹاؤن ہی میں خانہ نشین ہوں گے۔ تاہم جب کبھی شہر جانا ہو اور دوستوں سے ملاقات ہو، تو انہیں میرا سلام کہئے گا۔ چند دن ہوئے۔ میں نے افتیاز کو خط لکھا تھا۔

جواب سے حسبِ معمول محروم ہوں ۔ اور شاید محروم رہوں اور کچھ نہیں تو کم از کم میری محرومی ہی کا احساس ان تک پہنچا دیجئے کہ عشق کے کاروبار میں اس سے بھی بسا اوقات فائدہ پہنچتا ہے ۔ کیا صوفی صاحب بدستور نیو ہاسٹل میں حکمران ہیں ۔ یا کچہری روڈ کی سرکاری کوٹھیوں میں سے کسی کوٹھی میں پہنچ گئے ہیں ۔ نہ معلوم پرنسپل کون ہیں ۔ آخری اطلاع ڈاکٹر صادق کے متعلق تھی ۔ اور کیا شریف صاحب کراچی میں ہیں یا لاہور واپس آگئے ؟ اِن سوالات سے محکمانہ معاملات کو کریدنا مطلوب نہیں، محض احباب کے مستقر و ماحول کا نقشہ ذہن میں بنانا چاہتا ہوں ۔ اِسی طرح کے سوالات ہاشمی صاحب اور عابد علی صاحب کے متعلق بھی پوچھنا چاہتا ہوں ۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ عابد صاحب نے زندگی میں چند در چند ڈرامے پیدا کر لئے ہیں ۔ میں ابتدائی مناظر سے بھی بے خبر ہوں ۔ اس لئے کھیل کا خاکہ تک سمجھ میں نہ آیا ۔ خلیفہ حکیم کے متعلق آخری اطلاع تھی کہ وہ اقبال اکیڈمی کے ڈائریکٹر ہیں ۔ کیا یہ اکیڈمی پنپ رہی ہے اور لاہور میں ہے ؟ میں نے خلیفہ صاحب سے " اسلامی کلچر " پر یہاں کے ایک مقتدر مؤلف کے لئے ایک مضمون لکھوایا تھا ۔ وہ عنقریب اور فلسفیانِ عالم کے دشحاتِ قلم کی معیت میں کتابی شکل میں شائع ہوگا ۔ اور یہ پہلا موقع ہوگا کہ اسلام پر کسی پاکستانی کا مدلّل مضمون اس ملک میں عزت و آبرو کے ساتھ چھپے ۔ یہاں کی ایک یونیورسٹی میں مذاہبِ قدیم

اور حقوقِ انسانی کے مضمون پر دسمبر میں ایک مناظرہ ہوگا۔ اس سلسلے میں بھی میں نے خلیفہ حکیم صاحب کے لئے بے حد سعی کی کہ اسلام کی نمائندگی وہ کریں۔ آخر اس میں کامیاب ہوا۔ خلیفہ صاحب کا کرایہ وغیرہ یونیورسٹی دے گی۔ کینیڈا کی (MCGILL) یونیورسٹی وظیفے دے کر اسلامیات کے طلباء اور فارغ التحصیل بزرگوں کو سال دو سال کے لئے یہاں بُلانا چاہتی ہے۔ عنقریب وہاں کے پروفیسر سمتھ انتخاب اشخاص کے لئے پاکستان کا دورہ کریں گے۔ میں نے ان سے کہا ہے وہ آپ سے بھی ضرور ملیں۔ سمتھ پہلے بھی ہمارے ملک کی سیاحت کر چکے ہیں۔ "MODERN ISLAM IN INDIA" کے مصنف ہیں۔ آغا حمید وغیرہ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب آج کل یہاں ہیں۔ مباحثہ کشمیر کے آنے والے سین کے لئے سٹیج تیار کر رہے ہیں اور بے انتہا تگ و دَو میں مصروف ہیں۔ خدا کرے ہم اس قضیے سے عزت کے ساتھ اور بوجہ احسن عہدہ برا ہوں۔ ایک اور یونیورسٹی خشک علاقوں میں آب پاشی پر ریسرچ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن کسی ایشیائی یونیورسٹی کے ساتھ مل کر بیروت اور پنجاب دونوں زیرِ غور ہیں۔ میں پنجاب کے لئے کوشش کر رہا ہوں۔ اغلباً کام بن جائے گا۔ بس اپنی حکومت اور پنجاب یونیورسٹی کے اشارے کا منتظر ہوں کہ وہ یہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں۔ ڈاکٹر رائیس (سابق پرنسپل فارمن کالج)

میرے ممد ہیں اور خوب زور لگا رہے ہیں۔

آپ کے لاہور میں پھر براجمان ہونے کا خیال آتا ہے۔ تو کئی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ تاہم جب تک آپ کراچی میں تھے۔ آپ کی موجودگی سے زبیدہ اور ان کے تعلق سے مجھے ایک اطمینان تھا سب لوگ کراچی کی سمت ہجرت کر رہے ہیں۔ لاہور کا (بقول ملاپ پرتاپ) اب کیا بنے گا؟

مہر صاحب کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ اغلباً اب بھی اپنی چھڑی ہاتھ میں لے کر علی الصباح سانپ مارنے کے لئے جنگل میں گشت لگاتے ہوں گے۔ انہیں بھی میرا سلام کہیئے گا۔

آج اتوار کا دن ہے۔ ردی چھانٹ رہا ہوں۔ یہ مشغلہ ہر ملک اور ہر زمانے میں سوہانِ روح ہوتا چلا آیا ہے۔ اگلے ہفتے سے پیرس کے سفر کے لئے ٹیکے لگوانا شروع کر دوں گا۔ پہلے ٹیکے سب کے سب زائد المعیاد ہو چکے ہیں۔ کل شام ٹیلی ویژن پر میری انٹرویو نشر ہو گی۔ کچھ کشمیر کچھ جاپانی عہدنامہ کچھ کوریا۔ وقس علیٰ ہذا۔ غرضیکہ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے۔

خاکسار

بخاری

۳

نیویارک

۲۲ مارچ ۵۲ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون! نہ معلوم آپ کا کیا حال ہے۔ عرصے سے آپ کا خط نہیں آیا۔ یہ آپ کا شیوہ نہیں۔ اس لئے آپ کے متعلق تشویش ہے۔ خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ چند دن سے بیماری ہی بیماری سننے میں آتی ہے۔ سلمان بے چارے کو نمونیہ ہو گیا۔ انور کا خط آیا تھا کہ آپ بہتر ہیں۔ اسے بھی ایک دو ہفتے گذر گئے۔ نہ معلوم اب ان کا کیا حال ہے۔ میں پیرس سے یہاں ۸ فروری کو پہنچا۔ بالکل چوُر۔ پہلے انفلوئنزا ہو گیا۔ اس سے صحت پائی تو خون کا دباؤ یک لخت گر گیا۔ سر میں چکر آنے لگے اور صاحب فراش ہونا پڑا۔ اب بالکل تندرست ہوں۔ زبیدہ کو عرصے سے ادنیٰ گیبریا کی شکایت ہے۔ وہ آج کل پنجاب میں ہیں۔ اُمید ہے آپ سے ملاقات ہوئی ہو گی۔ (بشرطیکہ آپ کراچی نہ اُٹھ آتے ہوں) آج کل کام میں گھرا ہوا ہوں۔ سیکورٹی کونسل آدرڈس آرینجمنٹ کمیشن میں ہونے کی وجہ سے مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے۔ پاکستان کے کئی لوہے آگ میں ہیں۔ ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کوئی لوہا ٹھنڈا نہ پڑھ جائے۔

اسد صاحب بحثیت وزیر کے میرے معاون مقرر ہوتے ہیں ۔ جنوری کی بجائے مارچ میں یہاں پہنچے ۔ وزیر خارجہ انہیں اپنے ساتھ بلادِ اسلامیہ کے دَورے پر لے گئے تھے ۔ جب کراچی واپس پہنچے تو کہیں سیڑھیوں پر سے ر پھٹے ۔ دو پسلیاں ٹوٹ گئیں اور ان کے آنے میں ! ور تاخیر ہوئی ۔ غرضیکہ بوجہ پریشان رہا ۔ اب زندگی کا نقشہ پھر کچھ بننے لگا ہے ۔

لاہور کی خبر صرف اتنی ملی کہ ہاشمی صاحب امریکہ آئیں گے ۔ یہ مژدہ سلمان نے سُنایا ۔ اسے بھی کئی ہفتے ہونے میں آئے ۔ مزید کوئی اطلاع نہ آئی ۔ صوفی صاحب کا ایک نادر سلام حمید الدین (ابنِ مولوی صدرالدین مرحوم) کی وساطت سے پہنچا ۔ حمید یہاں کولمبیا یونیورسٹی میں نفسیات پڑھ رہے ہیں ۔ عنقریب واپس جائیں گے ۔ عباس کو بی بی سی سے یو این بُلانے کی کوشش کر رہا ہوں ۔ وہ آجائیں تو بہت ہی خوب ہو ۔ خلیفہ عبدالحکیم یہاں اپنی لیکچر بازی ختم کر چکے ہیں ۔ اب واشنگٹن میں سننا رہے ہیں ۔ اگلے ہفتے نیو یارک آئیں گے ۔ اور دو چار دن کے بعد کراچی کا عزم کریں گے ۔

اخبار و اطلاعات تو ختم ہو لیں ۔ اب حسرتوں کا ذکر باقی ہے ۔ پرسوں یہاں برف پڑ رہی تھی ۔ یہ مارچ کا آخری سنبھالا تھا ۔ یوں جنتری کے حساب سے بہار کا موسم شروع ہو چکا ہے ۔ عنقریب مکان

کی دیوار پر جو بیلیں سرما میں مضمحل اور بے رونق تھیں ۔ وہ ہری بھری ہوں گی ۔ وطن یاد آتا ہے ۔ طالب علم تھے ۔ تو مارچ کے مہینے میں امتحان کے خیال سے رعشہ طاری تھا ۔ معلم ہوئے تو مارچ میں تعطیلات کا انتظار رہتا تھا ۔ بہار کی ہوائیں یوں بھی چلتی تھیں اور یوں بھی ۔ اور کاروباری عشق بہر نوع جاری رہتا تھا ۔ کیا اب بھی راوی کے اُس پار مقبرہ جہانگیر کے باغ میں کوئل کی صدا سنائی دیتی ہے ؟ کیا اب بھی فالودے کا موسم قریب آ رہا ہے ؟ جب بیماری کے عالم میں بالکل خالی الذہن تھا ۔ نوشباب لاہور اور لاہور شباب کے کئی موقع تھوڑی تھوڑی دیر کو دماغ میں جاگ اُٹھتے تھے ۔ دارالاشاعت کی بزم عشاق ، دہلی مسلم ہوٹل میں وارفتگان کا ہجوم ۔ بے دل مرحوم ۔ فرزند علی (جو ہر وقت پان کی وجہ سے رطب اللسان رہتے تھے) منشی نعمت علی کی " ہتھیئے بو " پرانی انارکلی میں حکیم احمد شجاع کا مکان اور باپ کا گناہ ۔ تاثیر کی فیس بائی اور ننھی چراغ حسن حسرت (" خدا کی قسم وہ یہیں ہیں ") ڈیگ پر مچھلی کا شکار ۔ جُگنل کی پر اسرار معمتیں ۔ پھر گورنمنٹ کالج لاج کا دور ۔ صوفی کی پنجابی غزلیں ۔ شب دیگ کی تقریبیں ۔ اے کاش کوئی ازسرِ نو ان اوراق پریشان کا شیرازہ باندھ دے ۔

دوش بر یادِ حریفاں بخرابات شدم
خم مے دیدم وخوں در دل و پا در گل بود

بس بگشتم کہ بپرسم سبب دردِ فراق
مفتیٔ عقل دریں مسئلہ لا یعقل بود

آپ کی خیریت کا طالب ہوں اور آپ کے خط کا منتظر۔

ہر آنکہ جانبِ اہلِ وفا نگہ دارد
خداش در ہمہ حال از بلا نگہدارد

خاکسار
بخاری

۴

نیویارک
۲۸ اپریل ۱۹۵۲ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون! گرامی نامہ بے تاریخ لیکن نمیقہ اوائل اپریل شرفِ صدور لایا۔ آپ خط نویس نہیں پرچہ نویس ہیں۔ ایک ہی مکتوب سے آپ خبروں کا ایسا چھڑکاؤ کر دیتے ہیں کہ مہینوں کی تشنگی مٹ جاتی ہے۔ جب سے پیرس آیا۔ مسئلہ تیونس میں منتغرق رہا۔ خدا نے اس بارے میں مجھے ایسا سرخرو کیا کہ ناشکری کا کوئی بھی حیلہ تو باقی نہ رہا۔ امریکہ کے اخباروں نے وہ مجھے سر پر اُٹھایا کہ

شاید ہی یو این میں کسی کو نصیب ہوا ہو۔ ابھی تک تعریفی خطوط کا تانتا لگا ہوا ہے اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن والے ہر وقت تعاقب میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت نامی اخبار نے (نام ابھی نہ لوں گا) خاص مجھ پر ایک آرٹیکل لکھنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اس مقصد کے لئے اُنہوں نے اپنے طریق کار کے مطابق ایک نامہ نگار میرے ساتھ نتھی کر دیا ہے جو رات دن میرے ساتھ پھرتا ہے۔ اور بے شمار سوالات پُوچھ پُوچھ کر نوٹ کرتا جاتا ہے۔ پندرہ دن یہی شغل رہے گا۔ اس کے بعد وہ دو صفحے کا آرٹیکل لکھے گا۔ یہاں کے صحافت باز لوگ بھی عجیب والہانہ طبیعت رکھتے ہیں۔ بعض لوگوں پر ایک آرٹیکل لکھنے کی خاطر چھ مہینے ان کے ساتھ ایک انشا پرداز کو نتھی کر دیتے ہیں۔ سُنا ہے میرے والے آرٹیکل پر ان کا دس ہزار ڈالر خرچ آئے گا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے پاکستان کی اس خدمت کے لئے مجھے منتخب کیا اور پاکستان کی طفیل مجھ پر بھی اپنی رحمت فرمائی۔ قضیہ تیونس کیوں کر یو این میں لایا گیا۔ اور معاملے نے کیا کیا پلٹے کھائے اور دنگل میں کیا کیا تماشے ہوئے۔ یہ داستان ایک ڈرامہ سے کم نہیں۔ عندا لملاقات انشاء اللہ کبھی عرض کروں گا۔ آپ جانتے ہیں مَیں تقریر بغیر نوٹ کے کرتا ہوں۔ ہر مرتبہ تقریر کے ابتدائی فقروں کے دَوران میں ایک عجیب کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے۔ مجلسِ امن کے سامعین (ریڈیو

وغیرہ ملاکر) کروڑ دو کروڑ سے کم نہیں ہوتے۔ اور پھر دائیں بائیں بھی گرگے اور جفا داری قسم کے لوگ۔ لیکن وہ لُطف رہا کہ کیا عرض کروں۔

پاکستان آنے کے لئے بے قرار ہوں ستمبر اکتوبر سے لے کر جنوری تک جنرل اسمبلی کی وجہ سے میرا نیویارک میں رہنا ضروری ہے۔ آیا تو یا ستمبر اکتوبر سے پہلے یا جنوری فروری میں۔ تاریخ کے تعین میں توقف یوں ہے کہ ہارون میاں چاہتے ہیں۔ میں ان کی شادی کے موقع پر کراچی میں ضرور موجود ہوں۔ شادی کی تاریخ بھی انہوں نے مقرر نہیں کی۔ خان بہادر میاں عبدالعزیز مرحوم کی صاحبزادی کے لئے پیغام بھیجا ہے۔ خاتون کا نام روشن ہے اور ہر شخص سے اس بچی کی تعریف سُنی ہے۔ زبیدہ یقیناً آپ سے بات کریں گی۔ اُمید ہے آپ اپنے برادرانہ مشورے سے اُسے مجھے اور ہارون کو محروم نہ رکھیں گے۔ کبھی فرصت ملے تو ذوالفقار سے عام معاملات پر بھی تبادلہ خیالات کیجئے۔ اس کا اکثر باتوں میں رویہ کچھ غیروں کا سا ہے۔ میں تو متوکل انسان ہوں۔ البتہ زبیدہ کو جو خاندانی یک جہتی کی عادی ہے۔ دُکھ ہوتا ہے۔ نہ زبیدہ ہی صبر شکر سے کام لیتی ہے۔ نہ ذوالفقار ہی کا دل پسیجتا ہے۔ اس بدمزگی سے میں اکثر پریشان رہتا ہوں۔ کسی کے بس کی بات نہیں۔ تاہم عجب نہیں کہ کسی لمحے آپ کا کلام ذوالفقار کے دل میں

جاگزیں ہو جائے۔ اور اس کی کدورتیں (واللہ اعلم کیا کدورتیں ہیں) دور ہو جائیں۔

آپ بھی اب کراچوی ہو گئے۔ خدا کرے آپ کو مکان خاطر خواہ مل جائے۔ مسلم ٹاؤن کی کوٹھی کے بعد بھابی بے چاری کو ہوٹل میں زندگی کا کیا لطف آئے گا۔ آپ کے کراچی آنے سے میں خوش ہوں۔ کراچی میں لاہور کا سا رس نہیں۔ لیکن جب حلقۂ احباب کے باقیات الصالحات سب کراچی میں ہیں۔ تو لاہور سے بہتر ہے۔ کم از کم آشنا صورتیں تو نظر آئیں گی۔ شریف (محکمہ تعلیم) آج کل امریکہ میں ہے۔ ڈاکٹر وحید بھی (حقوق انسانی کے کمیشن کے سلسلے میں) یہاں ہیں۔ خلیفہ عبدالحکیم اس وقت بلاد اسلامیہ میں مزار مولانا ردم پر فاتحہ پڑھ رہے ہوں گے۔ یا غضنفر کے ہاں پلاؤ کھا رہے ہوں گے۔ عنقریب کراچی پہنچیں گے۔ مجید ملک اور آمنہ کی کبھی کوئی خیر نہیں آئی۔ فلیمنگ روڈ کے ایام کے بعد ان سے مخلی بالطبع ہونے کے موقعے کم ملے ہیں (بجز دورانِ جنگ اور دہلی میں) سلیمان یقیناً صحت مند ہوں گے۔ کیونکہ عرصہ سے ان کا خط نہیں آیا۔ سُنا ہے امتیاز کراچی آئے تھے۔ چند محفلیں روشن کر کے پھر لاہور چلے گئے۔ ان کی جانب سے تو کبھی خط آتا ہی نہیں۔ ہمارے دوست ماشاء اللہ اہلِ القلم سے بڑھ کر اہل الفظ ہیں۔

خط لکھتے رہا کیجیے اور چو یا جیبب شبنی د ـــــــــــــ الخ ۔

خاکسار

بخاری

۵

نیویارک

۳۱ اگست ۵۲ء

برادرم محترم !

سلام مسنون ! یہ بھی میری ژولیدہ ایام زندگی کی ایک مثال ہے کہ جب آپ کا خط ملا ۔ میں ایک کانفرنس میں تھا ۔ کھول کر صرف آنکھیں سیراب کیں ۔ اور پھر جیب میں رکھ لیا کہ فرصت میں پڑھوں گا ۔ نہ معلوم وہ کون سی جیب کس کوٹ کی تھی ۔ تین دن سے تلاش کر رہا ہوں ۔ آخر ارادہ کیا کہ "منہ زبانی" ہی جواب لکھ دوں ۔ اتنا ضرور دیکھ لیا تھا کہ آپ میری خاموشی کے شاکی ہیں اور خط کا خاتمہ اس پُر معنی فقرے یا جملے پر ہوا تھا کہ آپ "عقب ریڈیو سٹیشن" رہتے ہیں ۔ عقب بچائی نہ چھوٹی !

جولائی اگست کے مہینے یہاں مشکل سے کٹتے ہیں ۔ گرمی اور رطوبت یعنی بالکل کلکتہ اور گاہے گاہے مدراس ۔ اس دوران میں کام برابر

جاری رہا۔ کشمیر کے مسئلے کو یہاں سے جینوا روانہ کیا۔ تو ڈس آرمینٹ کمیشن اور سیکورٹی کونسل کے اجلاس دھڑا دھڑ ہونے لگے۔ ۱۴ اگست کو جنرل اسمبلی ہے۔ اس کی تیاریاں ابھی سے شروع ہوئی ہیں۔ معاونین سے جو توقع تھی کہ رستم کی گور پر لات ماریں گے۔ وہ توقع محروم ہوئی۔ ہم سمجھے تھے کہ

سے "مبارک باد اسد غم خوار جان درد مند آیا"

لیکن انہیں فرصت کشاکش غم پنہاں ہی سے نہ ملی۔ کئی مرتبہ نکان کے مارے برا حال ہو گیا اور ہفتہ بھر صرف بستر میں لیٹ کر ناول پڑھنے کا ارادہ کر لیا۔" پر کیا کریں کہ دل ہی عدد ہے فراغ کا" بہر حال اب دسمبر تک تو یونہی باربرداری کرنی پڑے گی۔ اِس کے بعد چھٹی لے کر وطن واپس آنے کا ارادہ ہے۔ چھٹی "ایک سے دو مہینے" تک کی ہے گھر رہنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ لیکن قواعد کی رُو سے جتنا عرصہ پاکستان رہوں۔ اتنا عرصہ فارن الاؤنس چھن جاتا ہے۔ خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال تو کراچی پہنچنے کے نقشے دماغ میں ڈھل رہے ہیں۔

اس دوران میں غضنفر یہاں آئے۔ کسی تیل کے بادشاہ کے مہمان تھے۔ چنانچہ اس ٹھاٹھ سے رہے کہ ہماری میزبانی کے متوقع بھی رہے اور اس سے بے نیاز بھی۔ حسب دستور کچھ ہم سے خوش

کچھ شاکی گئے۔ غلام محمد چند دن سے یہاں ہیں۔ ایک دو مرتبہ ماحضر تناول فرمایا اور وطن کے حالات سنائے۔ امجد بھی موجود تھے۔ وطن کے حالات سے میں بیشتر بے خبر رہتا ہوں۔ بس اتنا ہی علم میں آتا ہے۔ جو سرکاری اطلاعات کے ذریعے پہنچتا ہے۔ ڈان پڑھنے کی کبھی فرصت ملتی ہے۔ کبھی نہیں ملتی۔ جو سیاح یہاں آتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی افسر کی بیماری کا حال سنا جاتا ہے۔ غلام محمد بیمار تھے۔ پھر محمد علی بیمار ہوئے۔ اب سنا ہے عبدالقادر صاحب فراش ہیں۔ کراچی کی آب و ہوا ایکسریبل ڈالنے کا تہیہ کر لینا چاہیئے۔ سلمان ملے تو ان سے کہیئے کہ ان کی جانب سے ایک مسودہ عرصہ ہوا موصول ہوا ہے۔ جس میں نیازی صاحب اور کسی اوز تان سین کی آپس میں تو تو میں میں کا حال مفصل درج تھا۔ پھر ایک اور مسودہ شرف الصدور لایا۔ جو خود ان کی ایک ریڈیو ٹاک کا مسودہ تھا۔ حاشیے پر چند کیڑے مکوڑے "بقلم خود" منقوش تھے۔ اسی کو ان کا گرامی نامہ سمجھ کر خوش ہو لیا۔ لیکن اس سے اتنی اکتاہٹ پیدا نہ ہوئی۔ کہ "لائیو نو قلمدان" کہہ اٹھتا۔ بہر حال انہیں عنقریب نئے ساز و سامان کے ساتھ خط لکھوں گا۔

ہارون کی شادی دسمبر کے آخر میں ہو گی۔ میں وسط دسمبر سے کسی صورت پہلے نہ پہنچ سکوں گا۔ نہ معلوم ایسی تقریبوں پر کیا کیا انتظامات پیش از وقت کرنے پڑتے ہیں۔ اُمید ہے آپ زبیدہ کی

اپنے مشورے سے وقتاً فوقتاً رہنمائی کرتے رہیں گے۔ آپ اور دیگر
احباب اگر اس کام میں بقدر فرصت حصہ لیں۔ تو بتقاضائے نیاز
مندی بے حد ممنون ہوں گا۔ ہارون منصور ماشاءاللہ جوان ہیں لیکن
ناتجربہ کار ہیں۔ آپ کی ہدائیت کی انہیں بے حد ضرورت ہو گی۔
سلمان کی خدمت میں بھی میری طرف سے یہ درخواست پہنچا دیجئے۔
ذوالفقار کو بھی خط لکھوں گا۔ لیکن نہ معلوم وہ کس حد تک توجہ
کریں۔ آپ اور سلمان پر بھروسہ ہے اور خدا آپ کو خوش
رکھے۔

امریکہ سے کچھ منگوانا ہو۔ تو ابھی سے لکھ بھیجئے۔ یہاں کا شاپنگ
ازحد صبر آزما ہوتا ہے۔

خاکسار

بخاری

۶

نیویارک

۹ فروری ۵۳ء

برادر محترم!

سلام مسنون۔ جب نیویارک پہنچا تو جہاز سے بیمار اُترا ——

رہے آرامی میں ایک قیمتی اوورکوٹ بھی جہاز ہی میں رہ گیا اور اب اس
کے ملنے کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ سخت نزلہ اور بخار سیدھا ہسپتال لے گیا۔
اب آفاقہ ہے۔ لندن میں چوبیس گھنٹے ٹھہرنا پڑا۔ جہاز والوں نے
ایک ایسے ہوٹل میں ٹھہرایا۔ جو مضافات میں واقع تھا۔ بڑی سی
عمارت جیسے کسی انگریز رئیس کا محل ہو۔ اردگرد وسیع باغ، دن بھر
ہوٹل ہی کے آفتاب خانے میں بیٹھا رہا۔ کسی دوست آشنا سے جو
لندن میں رہتے ہیں۔ ملاقات یا ٹیلی فون کی کوشش نہ کی۔ موسم
صاف تھا۔ خیال تھا کہ نزلے میں کچھ تخفیف ہو جائے گی۔ لیکن نہ
ہوئی۔ قاہرہ کسی کو گذرنے کی اطلاع نہ دی تھی۔ البتہ روم کے ایئر
پورٹ پر اسلم ملک اور ان کی بیوی ملنے آئے۔ گھنٹہ بھر کا وقفہ ان
کی معیت میں گذرا۔ کراچی سے میرے ہی جہاز میں طیب حسین واپس
قاہرہ جا رہے تھے۔ قاہرہ ایئرپورٹ پر ان کی بیگم صاحبہ (مرزا محمد سعید
کی صاحبزادی) انہیں لینے آئی ہوئی تھیں۔ ان سے کچھ گپ رہی۔
نیویارک ابھی خالی خالی ہے۔ ابھی تک کسی دوست سے تجدید مراسم
کی مہلت نہیں ملی۔ چوہدری ظفر اللہ خاں یہاں سے جینوا جا چکے ہیں۔
آج پہلی مرتبہ دفتر گیا۔ جاتے ہی کام میں مصروف ہوگیا۔ کچھ مجبوراً
کچھ دل بہلانے کے لئے۔ مصروفیت دافع تفکرات ہوتی ہے۔ آج
ہارون کا خط آیا ہے کہ میں شادی مارچ کے آخر میں کرنا چاہتا ہوں۔
اسے میں نے لکھا ہے کہ زبیدہ اور منصور کے ساتھ مشورہ کرکے خرچ کا

تخمینہ لکھ بھیجے ۔ منصور کی شادی کے اخراجات کا نقشہ اسے میں نے یہاں سے بھیج دیا ہے ۔ اس سے مدد ملے گی ۔ وہ سمجھتا ہے کہ شادی بجائے اپریل کے مارچ ہی کے مہینے میں مناسب ہوگی ۔ خدا کرے اس وقت تک میں کچھ پونجی جمع کرسکوں ۔ فی الحال تو تجوری بھائیں بھائیں کر رہی ہے ۔ اندازہ ہے کہ گھر کے لوگ اس وقت منتشر ہوں گے ۔ اور زبیدہ اکیلی ہوں گی ۔ خیریت دریافت کرتے رہیئے گا ۔ حبیب میں کراچی سے روانہ ہوا تھا ۔ نواسے بھی زکام اور بخار تھا ۔ شادی کی بھاگ دوڑ نے کافی تھکا دیا ۔ منصور اور زرینہ اغلباً تعطیل منانے دہلی چلے گئے ہوں گے ۔ ہارون لاہور میں ہے ۔ بلکہ آج کل دورے پر ہے ۔ وہ ۲۳ فروری تک دورے پر رہے گا ۔ ذوالفقار کے اوقات جیسے مصروف ہیں ۔ وہ آپ جانتے ہیں ۔

کراچی آنے کا وہ لطف نہ آیا ۔ جس کی امید تھی ۔ لوگ پژمردہ اور ان کی گفتگو اکثر متفکر تھی ۔ علاوہ بریں شادی کے تفکرات بیشتر دماغ پر حاوی رہے ۔ دو مرتبہ لاہور تو گیا ۔ لیکن لاہور سے محظی بالطبع ہونے کی فراغت نصیب نہ ہوئی ۔ تاہم غنیمت ہے کہ سب احباب سے (بجز ایک عابد علی کے جو برات میں بھی شامل نہ ہوتے) ملاقات تو ہوگئی ۔ اب دیکھئے اگلے دو ایک سال میں زمانہ ہر ایک سے کیا سلوک کرتا ہے ۔ آپ کی صحبت بدستور فیض کا سرچشمہ تھی ۔ جو قہقہے نصیب ہوئے وہ آپ ہی کی بدولت نصیب ہوئے ۔ اور شادی کے انصرام میں

آپ ہی کی ذات سے بہت کچھ ڈھارس بندھی رہی ورنہ میں بالکل ہی پچک گیا ہوتا۔ خدا آپ کو سلامت و شاداں رکھے۔ مجید لاہوری کی صحبت بھی حاصلِ وطن تھی۔ ان سے میری جانب سے معذرت کر دیجئے گا۔ کہ وہ خدا حافظ کہنے آئے۔ تو میں گھر پر موجود نہ تھا۔ ان کی طباعی اور بذلہ سنجی اور سب سے بڑھ کر ان کے اخلاق اور ان کی الفت کی یاد سے طبیعت تا ابد سیراب رہے گی۔ خدا ان کے دماغ کو اور جِلا دے ان پر سلام ہو۔ نیز ندوی صاحب پر بھی جن کی کتاب پڑھی (جو آپ کو انہوں نے تحفتہً دی تھی) اور وہ میرے گھر پر ہے آپ وہاں سے وصول کر لیجئے گا۔

شاہد سہروردی نیویارک میں آکر مقیم ہو گئے ہیں۔ کولمبیا یونیورسٹی میں ان کا منصب آرٹ لیکچرار کا ہے۔ ابھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ پرسوں یہاں کے سب سے بڑے عجائب خانے میں تصویروں کی ایک نمائش کا افتتاح ہے۔ ڈائریکٹر اور اس کی بیوی نے مجھے نمائش سے پہلے کھانے پر بُلایا ہے۔ ارادہ ہے کہ شاہد کو بھی ساتھ لے جاؤں۔ انہیں وہاں سے بہت سے ہم سخن اور ہم زبان ملیں گے۔ سُنا ہے کہ ان پر اختلاط آگیا ہے۔ اور ان کا دل پژمردہ ہے۔ آخری عمر میں تنہائی کا عالم اور تلاشِ معاش میں وطن سے اس قدر دُور ان پر ترس آتا ہے۔ طبیعت بھی ان کی حساس ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم کی سی خوش دلی ان میں نہیں (حالانکہ وہ

نرسنگھ داس گارڈن کی زریں سہ پہر!) بہ محض نیویارک پہنچنے
کا خط ہے۔ اس لئے اختصار مدِنظر ہے۔ باقی آئندہ!
ترجمے کے لئے اُردو کے مختصر فسانوں کا انتخاب۔ عباس کو
یاد دہانی کراتے رہیئے گا۔ حسرت کو سلام۔ بڑھا انہوں نے کہ ایران
میں بھی محتسب بیدار ہو رہا ہے؟

خاکسار

بخاری

۷

نیویارک

۱۹ فروری ۵۳ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون۔ آپ نے جیسے چاہا تھا۔ اسی کے مطابق آپ کا
۱۵۔ فروری کا لکھا ہوا گرامی نامہ آج ۱۹۔ فروری کو نہیں بلکہ ۱۸ فروری
کو یہاں پہنچ گیا۔ میرا یہ خط آپ کے خط کا جواب نہیں۔بلکہ "خود بخود"
خط ہے۔ اور ایک ضرورت سے آپ کو لکھ رہا ہوں۔ "بھنگیوں کی
توپ" کے مکمل حالات مطلوب ہیں۔ کس نے بنائی؟ کہاں بنائی؟
کیا توپ ساز کا نام اور کوائف معلوم ہیں؟ توپ کا اصل مالک کون تھا؟

توپ کی عمر کتنی ہے ؟ ہوتے ہوتے لاہور کے عجائب خانے کے سامنے کیسے پہنچ گئی ؟ ۔ (دلجوئی، خوشامد، [illegible])

اس ریسرچ کا محتاج یوں ہوا کہ ایک جرنیل کی استمالت کرنی ہے ۔ ان حضرات کی کیفیت یہ ہے کہ انہیں پاکستان کی کسی چیز کا مطلقاً کوئی علم نہیں ۔ بجز بھنگیوں کی توپ کے ۔ اور اس توپ کے بارے میں ایسا شغف ہے کہ عشق و جنون کی حد تک ۔ کپلنگ کی کتاب "کم" KIM میں اس کا حال انہوں نے پڑھ رکھا ہے ۔ (اسے کہتے بھی "کم کی توپ" ہیں) ۔ اس کے مفصل حالات ان تک پہنچا سکا ۔ تو وہ پھولے نہ سمائیں گے ۔ بلکہ شاید انہیں مطلّا و مجلّا کاغذ پر لکھوا کر اپنی لائبریری میں محفوظ رکھوا دیں ۔ پہلے خیال آیا کہ لاہور کے عجائب خانے کے مہتمم صاحب کون ہیں اور جواب جلد دینا ۔ انہیں گوارا ہوگا ۔ یا میرا خط محکمانی مسلوں ہی میں کہیں چکر لگاتا رہے گا ۔

اول تو مفصل حالات آپ کو خود ہی معلوم ہوں گے ۔ (آپ کا حافظہ اور دماغ عمر عیار کی زنبیل سے کم نہیں) اور نہ معلوم ہوئے تو آپ کراچی میں کسی ماہر سے حاصل کر لیں گے ۔ جواب ذرا جلد بھیج دیجئے ۔ غالب کا ہندی ترجمہ خوب رہا :

"لوبھ کا کاج کام کیا کیا ہے"

یعنی ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا ۔ "کاج کام" کی داد دیجئے ۔ نشاط کا ہندی ترجمہ "کام" اور (اردو کے) کام کا ہندی ترجمہ "کاج" لہذا "نشاط کار" "کاج کام" ہوا ۔ یہ ترجمہ ہندی روزمرہ میں بھی مفید ہوسکتا ہے ۔ مثلاً کہا جائے کہ "آج کل کام کاج میں کاج کام نہیں ملتا" مگر یہ تو فرمائیے "نندرا کیوں رات بھر نہیں آتی"۔ میں بحر (یا سمندر کہوں ؟) کون سی استعمال ہوئی ہے ۔ "مارچ میں شادی" پر ہارون نے مجھے خط لکھا ہے ۔ تجویز دراصل کسی کی ہو ۔ وہ اس سے بہر نوع متفق بلکہ مصر معلوم ہوتا ہے ۔ میں نے اسے جواب بھیجا ہے کہ مجھے اعتراض نہیں ۔ البتہ زبیدہ سے مشورہ کرکے اس کی رضا مندی حاصل کرلے ۔ روپے کا جو انتظام کرنا ہے ۔ اس کے اعتبار سے میرے لئے آخر مارچ یا آخر اپریل دونوں برابر ہیں ۔ لہذا اس کے متعلق تشویش نہ ہونی چاہیئے ۔ اور محض اس خیال سے مارچ کو رد نہ کرنا چاہیئے ۔ روپیہ کا انتظام انشا اللہ ہو جائے گا ۔ باقی حالات آپ پر اور زبیدہ پر چھوڑتا ہوں ۔ ہارون کے نزدیک شادی کا اپریل تک التوا خود اس کے (یعنی ہارون کے) لئے خوشگوار نہیں ۔ بلکہ ذہنی پیچیدگی کا موجب ہے ۔ اس کے خط سے تو یہی معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اپریل پر خواہ مخواہ اصرار نہ کرنا چاہیئے ۔ البتہ کوئی دیگر حالات مانع ہوں ۔ تو کوئی اور بات ہے ۔ ان کا مجھے علم نہیں ۔ اگر تیاری میں کوئی کوتاہی رہ گئی ۔ تو اس کا الزام ہم پر نہ آئے گا ۔

لہذا اس بارے میں زبیدہ کو کوئی ہراس اپنے اُوپر طاری نہ کرنا چاہیئے۔ ہارون کا خط کچھ "درد بلا" سا تھا۔ اس لئے میں نے مزاحم ہونا قرین مصلحت نہ سمجھا۔ صحیح حالات آپ کو منصور سے معلوم ہوں گے۔ جب وہ کراچی واپس آئے گا۔

احباب کی یاد ابھی تازہ ہے۔ مجید لاہوری اور دیگر کرم فرماؤں کو سلام پہنچے ؎

غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی
جو روشنی کہ شام سواد وطن میں تھی

"شام" سے مراد وہ شام ہے جو آپ کے ہاں کٹتی تھی۔ اور "سواد" پنجابی کا "سواد" ہے۔

خاکسار

بخاری

۸

نیویارک

۱۶۔ اپریل ۵۳ء

برادر محترم!!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ ملا۔ نمکدان بھی کتاب کے ساتھ ہی مل

گیا تھا۔ خیال تھا اس کے متعلق علیحدہ خط لکھوں گا۔ لیکن فرصت نہ ملی۔ مجید صاحب کو بہرحال میرا دلی شکریہ پہنچا دیجئے۔ نمکدان کی وجہ سے کئی دن اور شامیں روشن ہو گئیں۔ اور صحبتِ یاراں سرِ پل کا مزہ آگیا۔ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ نسیم کا ایسا جھونکا کبھی کبھار وطن سے آجائے۔ تو میں کتنی دیر تک یہاں مست رہتا ہوں۔

تنخواہ میں جو تخفیف ہوئی ہے۔ وہ پندرہ سو روپے ماہوار کے برابر ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ تخفیف کی ضرورت اس حد تک محسوس ہوگی۔ میں سمجھتا تھا۔ یہ عہدہ اتنا اہم ہے۔ اور یہاں ہم نے رستم کی گور پر وہ لات ماری ہے کہ ہم مامون رہیں گے۔ بہرحال ہماری خوش فہمی صحیح ہی کیوں ثابت ہوتی؟ اور یہ بھی خیال تھا۔ کہ جو لوگ خود فارن سروس سے متعلق نہ ہوں۔ اور باوجود اس کے سفیر وغیرہ مقرر ہوں۔ ان کی ریٹائرمنٹ کہیں ساٹھ برس کی عمر میں ہوتی ہے۔ میں نہ تو فارن سروس میں ہوں۔ نہ ابراہیم رحمت اللہ۔ ڈاکٹر عمر حیات۔ غضنفر وغیرہ کی طرح سیاسی زندگی سے سفارت پر آیا ہوں۔ مجھ پر کون سا قانون لگے گا؟ ہم پھر خوش فہمی میں رہے تا آنکہ حکم آیا کہ یکم اکتوبر ۵۳ء سے تم بہرحال سُبکدوش کر دیئے جاؤ گے۔ عرض معروض کی ہے کہ مجھ پر فارن سروس والوں کا قانون وارد نہ کیا جائے۔ تو مجھے توسیع ملازمت سرفراز فرمائیے۔ ضابطے کا جواب ابھی نہیں آیا۔ لیکن قرائن سے

معلوم ہوتا ہے کہ مجھ پر کچھ نہ کچھ نوازش ضرور ہو گی۔ اور مجھے ایک سال کی توسیع یعنی یکم اکتوبر ۵۴ء تک مل جائے گی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ تاکہ مجھے کچھ مہلت مل جائے اور اپنا مستقبل قدرے سہولت کے ساتھ شکست و ریخت سے بچا سکوں۔

ساتھ ہی ساتھ تلاشِ معاش جاری ہے اور اِدھر اُدھر ہاتھ مار رہا ہوں۔ آثار قدرے اُمید افزا ہیں۔ سرکاری ملازمت پر اب مزید تکیہ کرنا فضول ہے۔ کب تک کوئی میری معروضات پر غور کرتا رہے گا۔ ضابطے کا چکر بے پناہ ہوتا ہے۔ بار بار اپنے آپ کو مستثنیات میں سے ثابت کرنا طولِ عمل ہے۔ معاش کی تلاش امریکہ یورپ میں ہی کرنی پڑے گی۔ وطن میں بجز سرکاری ملازمت کے کیا ہے جس کے ہم منشی لوگ قابل ہوں۔ اور جب سرکاری ملازمت سے ہل گئے۔ تو باقی کیا رکھا ہے۔ پنشن کی معیاد کے ساتھ ہی ساتھ کہولت بھی وارد ہو جاتی۔ تو کسی بستر پر پڑا رہنا۔ لیکن سخت جانی کا کیا علاج؟ "ابھی تو میں جوان ہوں" یا کم از کم ستّرا بہتّرا نہیں۔ وہ بے چارا کیا کرے جو ضابطے کا بوڑھا ہو، اور دل و دماغ کا بوڑھا نہ ہو۔

زبیدہ کے خط سے معلوم ہوا۔ کہ ہارون کی شادی ستائیس اپریل کو ہو گی اور آپ اس میں شریک ہوں گے۔ جزاک اللہ۔ آپ کی راہنمائی زبیدہ اور بچوں کو حاصل ہو گی۔ تو میں پریشان کیوں ہوں۔

تاہم دل وہیں اٹکا رہے گا۔ ہو سکتا تو آتا۔ لیکن جو کچھ پس انداز کیا تھا۔ منصور کی شادی پر خرچ کر ڈالا۔ جو کھرچن باقی تھی۔ اسے جوں توں کرکے ہارون کے لئے بھیج دیا۔ اب محض قلندر ہوں۔ آیندہ معاش کا بھی ابھی کچھ یقین نہیں۔ عمر بھر جو کچھ کمایا تھا۔ وہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ لیکن نہ معلوم کہاں چلا گیا؟ کسی دن فرصت سے اس پر غور کروں گا۔ ممکن ہے۔ میں نے کہیں دفن کر رکھا ہو اور بھول گیا ہوں۔ میں نے عرصے تک آپ کو خط نہ لکھا۔ خیال تھا کہ آپ شاید مرزا غالبؔ کے سلسلے میں سفر پر ہوں۔ خبریں یہاں دیر سے پہنچتی ہیں اور جو پہنچتی ہیں۔ ان کا مالہٗ وما علیہ اکثر پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ بہرحال کچھ سمجھنے کی ایسی جلدی بھی نہیں۔ رموزِ مملکت خویش خسرواں آنند۔

آپ کی بہبود کا طالب خاکسار

بخاری

۹

نیویارک

۵ مئی ۵۳ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون۔ آپ کا بے تاریخ خط آج ملا۔ اس سے پیشتر وہ خط بھی موصول ہوا جس میں عزیزی اعجاز کے کوالف شامل (مشمول؟) تھے۔ اعجاز صاحب کے سلسلے میں میں نے سب سے پہلے بالواسطہ تحقیقات کی۔ کہ ایسے گریڈوں میں کھپت کی کیا کیا گنجائشیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ ابھی تک ہمیں ان سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ (آپ نے فرمایا ہے کہ "ان کا ایک ساتھی حال ہی میں مقرر ہو کر امریکہ جا چکا ہے" معلوم نہ ہوا کہ وہ کون ہے؟ تفصیل مل جائے تو اس سے ہمیں اپنی مساعی میں مدد ملے گی) جو حالات سرسری طور پہ معلوم ہوئے ہیں۔ وہ یوں ہیں۔ کہ نمبر ۱ گریڈوں میں ہمیں اپنے کوٹے سے زیادہ حاصل ہے۔ نمبر ۲ کلرک عموماً مقامی طور پہ بھرتی ہوتے ہیں۔ ورنہ آنے جانے کا خرچہ تنخواہ سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ گویا یا تو امریکیوں کو بھرتی کیا جاتا ہے یا ان لوگوں کو جو غیر ممالک سے آئے ہوں۔ لیکن یہاں موجود ہوں۔ نمبر ۳ بطریق مغرب ایسے کام عورتیں کرتی ہیں۔ امریکی ذہنیت کے لئے ایسے کام پر کسی مرد کو مامور کرنا ایسے ہی اچنبھے کی بات ہے۔ جیسے ہم اپنے وطن میں چپڑاسی کے عہدے پر کسی عورت کو مقرر کرنا چاہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کام وہ بھی کرلے گی۔ یہ تو ہوئیں معمول کی باتیں۔ اب میں خود کسی با اختیار افسر سے مِلا تو اپنے طور پر پوچھوں گا کہ باوجود ان رسمی موانعات کے کیا پھر بھی کوئی گنجائش موجود ہے۔

اور آپ کو بلا تاخیر اس سے مطلع کروں گا۔
تنخواہ تو یکم اپریل سے کم ہوگئی۔ توسیع کے متعلق ابھی کوئی باضابطہ حکم موصول نہیں ہوا۔ آخری خبر یہ ہے کہ وزیر خارجہ نے توسیع کی سفارش کی ہے۔ اور وزیر اعظم نے اس پہ حکم صادر کیا ہے۔ مگر وہ سابقہ وزیر اعظم تھے۔ نہ معلوم اب صورت حال کیا ہے۔ افسوس آپ شادی پر نہ جا سکے۔ اس سے زیادہ افسوس اس بات کا کہ بھابی کی طبیعت اچھی نہیں۔ میں نے آپ سے کراچی میں بھی عرض کیا تھا۔ کہ یہاں کسی ڈاکٹر سے بذریعہ خط و کتابت مشورہ کرتا ہو تو بلا تامل مجھے لکھ بھیجئے۔ خدا کرے کہ ان کی طبیعت سنبھل گئی ہو۔ شادی کے بعد زبیدہ کا خط نہیں آیا۔ اس لئے تفصیلات سے بے خبر ہوں۔ البتہ عین شادی کے دن منصور کا لاہور سے تار آیا تھا کہ کام بخوبی سر انجام پا گیا۔ اب زبیدہ کے خط کا انتظار ہے۔ نہ معلوم اس غریب کو کس قدر کوفت ہوئی۔ لیکن بہو کا گھر لانا اس کے لئے یقیناً مسرت کا باعث ہوگا۔ افسوس کہ زمانہ اب وہ نہیں کہ شادیاں بطرز قدیم چاؤ چونچلوں سے کی جائیں۔ دولہا بدل گئے۔ دلہن بدل گئیں۔ خوشی یہاں نہ رہیں غرضیکہ "عبوری دور" مجھے اکثر اس بات کا شدید احساس رہتا ہے کہ زبیدہ کو کس قدر ذہنی شکست و ریخت کا سامنا ہوتا ہے۔ آج ذوالفقار کا خط آیا کہ پروین کی منگنی پشاور کے رئیس خان بہادر صفدر خاں کے

صاحبزادے افضل سے ہو گئی ہے ۔ الحمد اللہ ۔ خدا کرے اس بچی کی زندگی کامران ہو۔ اس خبر سے بہت خوشی ہوئی۔

سلمان کو نیا گھر مبارک ۔ ملیں تو میرا پیغام تہنیت پہنچا دیجئے گا۔ نمکدان کے پرچے ملے ان کے صفحات پر بھی دوستوں سے مل گیا اور مجید صاحب کے ساتھ مل کر ہنس لیا۔ مجید صاحب کو خدا نے شرافت اور شرارت کا جو نسخہ بنایا ہے ، وہ دل کی گرمی اور دماغ کی ٹھنڈک کے لئے بہترین نسخہ ہے ۔ انہیں میرا سلام شوق کہیئے گا یقین مانیئے نمکدان پہنچا تو میں نے اس کے بعض حصے پانچ چھ مرتبہ پڑھے ۔ اور سنائے ۔ ان کی بدولت میں تو بالکل ہی نمک خوار ہو گیا ہوں۔

سرفراز کا پنجاب چلے جانا حیرت کا باعث ہوا ۔ میں سمجھتا تھا کہ ان کا یہ عہدہ ان کے لئے بہت ہی موزوں تھا ۔ لیکن شاید وہاں تنخواہ زیادہ ہو یا خدمت کی گنجائش زیادہ ہو ۔ میر نور احمد نہ معلوم اب کیا کرتے ہیں ؟ اختر صاحب کو بھی میرا سلام کہیئے گا اور ہاں وہ مردِ مومن کو جس کا نام "گر نہیں وصل تو" ہے آج کل کسی شغل میں مصروف حرکت ہیں ؟ ان کی کبھی کوئی خبر نہیں آئی ہے اگر سالک بے خبر نہیں تو وہ ضرور سجادہ رنگین کر رہے ہوں گے ۔ خدایا ان کا کیفت کم نہ بادا !

خاکسار

بخاری

نیویارک
۴ جون ۵۴ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون! توسیع کے متعلق آپ کو اطلاع مِل چکی ہوگی۔ وزیرِاعظم اور گورنر جنرل دونوں نے ازحد محبّت اور اخلاق کے خط لکھے۔ ایک سال کی توسیع منظور ہوگئی ہے۔ اب کاش کسی کو اس سے پہلے ایسے با اخلاق خط لکھنے کی توفیق ہوتی۔ اکثر لوگ ضابطے کا خط لکھتے ہیں۔ تو یہ تہیہ کرکے لکھتے ہیں کہ اس میں مکتوب الیہ کو اچھی طرح رگیدا جائے چنانچہ پیوست اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دیتے ہیں۔ آدمی کو بھی میسّر نہیں انسان ہونا۔

معاش کی یہاں دو صورتیں ہیں۔ تعلیمی ادارے اور یو۔ این امکانات دونو ہیں۔ لیکن جب سے لوگوں کے کانوں میں بھنک پڑی ہے کہ میں قومی خدمت سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ دروازے پر کئی لوگوں نے دستک دی ہے۔ یو۔ این کا کام دفتری ہے۔ صبح نو بجے سے شام کے چھ بجے تک میز پر نشست۔ لیکن تنخواہ نسبتاً زیادہ ہے۔ تعلیمی اداروں کا کام (از قسم منفعت) ہلکا ہے۔ لیکن تصنیف و تالیف کی کئی دِل کش گنجائشیں اس میں نکلتی ہیں۔

البتہ تنخواہ نسبتاً کم ہے۔ جسے بقدر لب و دندان تصنیف کی آمدنی سے پھیلانا پڑے گا۔ آج کل اس گومگو میں ہوں۔ رجحان تعلیمی کام کی طرف ہے۔ تصنیف کی ہوس عمر بھر سے ہے۔ کچھ حالاتِ زمانہ اور بیشتر اپنی غیر صالح طبیعت کی بدولت وہ ہوس کبھی ٹھیک طرح پوری نہ ہوئی۔ خدا کرے آخری فیصلہ یہی ہو کہ تعلیمی کام کیا جائے۔ جب خدا سے دُعا کی ہے۔ کبھی نیکی کی ہدایت نہیں چاہی۔ کیونکہ وہ اس نے پہلے سے دے رکھی ہے اور دل و دماغ صراطِ مستقیم سے ہمیشہ آگاہ رہے ہیں۔ جب دُعا کی ہے یہی کہ خدایا ہم کمزور ہیں۔ نیکی کو ہمارے لئے دلکش بنا۔ جہاں ثواب کا امکان ہو۔ وہاں تھوڑا سا خرما رکھ دے۔ بہت نہیں تھوڑا سا۔ ہم گدھے ہیں۔ تیرے اشارے کو تو سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن اپنی کمزوریوں میں پاگل ہیں۔ اس لئے دُور سے کبھی کبھار گاجر دکھا دیا کر۔

خیر آخری فیصلہ تو ہوتا رہے گا۔ ابھی تفصیلات پر بہت کچھ غور کرنا ہے۔ اس دوران میں تصنیف کی طرف رجوع ہونا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے یہاں مشورہ دیا ہے کہ دو کتابیں تم فوراً لکھ ڈالو (انگریزی میں) ایک امریکیوں کے لئے اُردو سکھانے کی کتاب۔ دوسرے امریکنوں کے لئے (ایک مختصر) تاریخ ادب اُردو۔ ان کتابوں سے جو پیسے وصول ہوں گے۔ وہ آئندہ بہتر کتابیں لکھنے کے کام آئیں گے۔ اب آپ کے ذمے کام یہ ہے کہ پاکستان سے ان کے

لئے مصالحہ بھیجئے ۔ تاریخ ادب کے لئے تو بہت سی کتابیں جمع کرنی
پڑیں گی ۔ لہذا پہلے اُردو سکھانے کی کتاب کا مصالحہ بھیجئے ۔ اور وہ
مصالحہ یہ ہے ۔ عبدالحق کی قواعد اُردو ، اور وہ پانچ چھ کتابیں جو
کسی زمانے میں صاحب لوگوں کے لئے لکھی گئی تھیں ۔ (ذوالفقار
اور شمس عارف دونوں اس کے ماہر ہوں گے) اس سلسلے میں
مجھ سے مزید تبادلہ خیالات کرنا ہو ۔ تو وہ بعد میں ۔ پہلے جو کتابیں
ہاتھ آئیں ۔ وہ بھجوا دیجئے ۔ مصارف میں ادا کروں گا ۔ اس کے ساتھ
ساتھ تاریخ ادب کے لئے فہرست کتب بھی مرتب کرنا شروع
کر دیجئے ۔

یہ کام یارِ خاطر تو نہ ہوگا اور کس سے کہوں ؟ امتیاز کا بار
بار خیال آتا ہے ۔ لیکن وہ ایسے کاموں کے لئے مدت سے بے کار
ہو چکے ۔ وہ سستی نہ کرتے تو اُنہوں نے اور ہم نے مل کر تاریخ
ڈرامہ پر ایک نہایت معقول کتاب آج سے دس پندرہ سال پہلے لکھ
لی ہوتی ۔ عباس صاحب اکثر کرم فرمائی کرتے ہیں ۔ لیکن وہ کچھ
اپنے مخمصوں میں ایسے گرفتار ہیں ۔ کہ پہلی سی اچپلاہٹ ان میں
نہیں رہی ۔ باقی آئندہ !

خاکسار

بخاری

* یہ کام یوں ہوا کہ رشید نے ادارۂ تصنیف کو لکھ کر ساقی بک ڈپو سے معاملہ کرادیا۔

نیویارک

۱۲ جولائی ۵۳ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون! آپ کا یکم جولائی کا خط چند دن ہوئے ملا۔ کتابوں کا پارسل بھی مل گیا۔ بے حد شکریہ۔ جانتا تھا کہ کراچی میں کتابوں کا جمع کرنا جرِ ثقیل* ہے۔ تاہم آپ کو تکلیف دینے سے باز نہ آیا۔ اور کیا کرتا؟ رشید (ریڈیو والے) سے یہاں کئی صحبتیں ہوئیں۔ ان سے کتابوں کے بارے میں مَیں نے اپنی مشکلات بیان کی۔ انہوں نے کہا۔ ہم آپ کے لئے کراچی میں ایک ایجنسی قائم کریں گے۔ جو آپ کے حسبِ ضرورت آپ کو اُردو کی کتابیں بھیج دیا کرے۔ تاکہ اگر آپ نیویارک میں بیٹھے بیٹھے تصنیف و تالیف کا شوق پورا کرنا چاہیں۔ تو بے کتابی سدِ راہ نہ ہو۔ میں نے کہا۔ اس ایجنسی کا مہتمم کون ہوگا۔ یعنی میں یہاں سے خط کسے لکھوں؟ انہوں نے اپنا نام پیش کیا۔ یعنی میں انہیں لکھوں گا۔ اور وہ احباب کو بے گار میں پکڑ کر جیسا جس سے ہوسکا۔ کتابیں حاصل کرکے مجھے بھجوا دیا کریں گے۔ اس وعدے بلکہ دعوے کی بنا پر میں انہیں کبھی آزماؤں گا۔ لیکن وہ بھی آخر آپ ہی کی طرف رجوع کریں گے۔ اور اگر ان کی توجہ

کبھی کارگر ہوتی - نواس میں آپ کا ہاتھ ہوگا - ان سے ملاقات ضرور
کیجیے - یہاں آکر ان کی طبیعت میں چند شگوفے پھوٹنے لگے - اور
ان کے ذہن کو ایسی جلا ہوئی - جس کی انہیں سالہا سال سے ضرورت
تھی - واپس پہنچ کر پھر پھپھوندی لگنے لگے - تو میں کہہ نہیں سکتا - آپ
کی جولاں فکری کا اکثر تذکرہ رہا - گورنمنٹ کالج کے علم پرست اور
سخن سنج گروہ یعنی راشد، رشید، حمید، امتیاز وغیرہم - چند سے شمعوں
کی طرح روشن ہوئے - لیکن کچھ عجب ہواؤں کا سامنا ہوا کہ شعلے
سے زیادہ دھواں ان کی قسمت میں لکھا تھا - کوئی گلگیری کا سامان
بھی نظر نہ آیا - چنانچہ سالہا سال سے یس سلگ رہے ہیں - آپ
کو جن چشموں نے سیراب کیا ہے - ان کی تازگی کبھی کم نہ ہونے
پائی - اس پر میں اور رشید گھنٹوں باتیں کرتے رہے - آخر آپ
کو ہزارہا دعائیں دے کر آپ سے عہدِ محبت پھر تازہ کیا - اس نے
بھی میں نے بھی - یہ لمحے رشید اور میری زندگی کے بہترین لمحے تھے -
اسے دقت ترخوش کہ وقتِ ما خوش کردی -

کتابوں کا پھر شکریہ! تاریخ ادب کی مسمیٰ کتابوں میں سے
صرف آبِ حیات میرے پاس ہے - باقی جب میسر ہوں - بھجوا
دیجیے - پہلے ایک سرسری خاکہ بنالوں - اس کے بعد اصل کتابوں کی
ضرورت بھی پڑے گی - یعنی "سب رس" سے لے کر انارکلی تک -
لیکن یہ مرحلہ ابھی دور ہے - ابھی تو پہلے چند قدم تول رہا ہوں -

[illegible]

اب کے آپ نے طویل خاموشی کے بعد خط لکھا۔ خط لکھنے کے معاملے میں آپ نے کچھ موسموں کا سا رتبہ حاصل کر لیا ہے۔ دو چار دن سے زیادہ اِدھر اُدھر نہیں ہوتے۔ اس لئے بارانِ کرم بیں اغیر معمولی تاخیر ہو۔ تو ہم مرجھانے لگتے ہیں۔ آج کل آپ کے کام کاج کا کیا حال ہے۔ کیا اب بھی آپ کا وہی منصب ہے جو سابق وزارت کے زمانے میں تھا؟

مجید لاہوری، رشید اختر ندوی اور حسرت اور دیگر احباب کو سلام پہنچے۔ اُمید ہے بھابی کا مزاج اب بخیر ہو گا۔ اور تشویش کی کوئی وجہ باقی نہ ہو گی۔ انہیں میرا مؤدبانہ سلام کہیئے۔

خاکسار

بخاری

۱۲

نیو یارک

۲۲۔ اکتوبر ۵۳ء

برادرِ محترم

سلام مسنون! گرامی نامہ ملا۔ بیماری میں آپ اکثر یاد آئے۔ جہاں گردی سیر و سیاحت کے لئے خوب ہے۔ لیکن قدرت کو کوئی ایسا انتظام

ضرور کرنا چاہیئے۔ کہ انسان بیمار ہو تو اپنے وطن ہی میں۔ اور دفن ہو تو اپنی ہی مٹی میں، علاج تو یہاں سے بہتر ساری دنیا میں نہیں۔لیکن روح کے زخم بھرنے نہیں پاتے۔ رُوح کی مسیحائی احباب ہی سے ہوسکتی ہے۔ آپ خط جلدی لکھتے تو اچھا ہوتا۔ میں جواب نہ دے سکتا لیکن آپ کی آواز تو سُن لیتا۔ بہرحال اب بھی آپ کا خط برکت کا موجب ہوا۔ یہ آپ نے خوب پوچھا کہ علالت کیا تھی۔ جو ہم جیسے اہل دل ہیں۔ وہ کب تک دل کو سنبھالے رہیں گے۔ اس سے پہلے تو کوئی آثار نہ تھے۔ لیکن یہ پچھلا سال مجھ پر بہت گراں گذرا۔

پاکستان کا سفر اتنا مختصر تھا کہ اس سے جسم کو کچھ آرام نہ ملا۔ اخراجات بہت زیادہ ہوئے۔ واپس پہنچا تو بعض بزرگوں کی تنگ نظری سے جو خطرے لاحق تھے۔ وہ صحیح ثابت ہوتے۔ پھر تنخواہ کم ہوئی۔ پھر ریٹائرمنٹ کا نوٹس ملا۔ جب مجھ سے مایوس ہوئے۔ تو امریکیوں نے اپنا ایک آدمی کھڑا کیا۔ اور اسے منتخب کروایا۔ پھر ہمیں سرکار پاکستان سے ایک سال کی توسیع ملی۔ اس میں تلاش معاش شروع کی۔ کچھ تدبیریں کامیاب ہوتی نظر آنے لگیں۔ تو بیمار پڑ گیا۔ اب اچھا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے۔ پھر کوشش شروع کر دوں گا۔

لاہور کے کاٹے کا علاج نہیں۔ آپ ہر دلعزیز انسان ہیں۔ جہاں

جاتے ہیں۔ آپ کے گرد عقیدت مندوں کا حلقہ ایک مستقل عرس شریف کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تاہم آپ کے لبوں سے بھی اکثر لاہور کے نام پر آہ نکلی۔ خلیفہ حکیم کو میں نے ایک خط کئی مہینے ہوئے لکھا تھا۔ دست بستہ عرض بھی کی تھی۔ کہ جواب ضرور لکھیئے گا۔ لیکن وہ بے کار یا کار انسان خط کے معاملے میں حد درجہ کاہل ہے۔ امتیاز سے بھی سلسلہ پیام کچھ عرصے سے بند ہے۔ بشیر ہاشمی کا ایک خط (از حد رقت امیز) البتہ چند دن ہوتے آیا تھا۔

لیجئے ایک اور کام آپ کے کرنے کا نکل آیا۔ ایک پبلشر نے مجھ سے ایک بچوں کی کہانی مانگی ہے۔ (تخمیناً ایک ہزار الفاظ) یہ ایک مجموعہ میں شامل کی جائے گی۔ جس میں سب دیگر اقوام کے بچوں کی کہانیاں بھی شامل ہوں گی۔ کہتے ہیں۔ کہانی ایسی ہو جو قدیم FOLKLORE پر مبنی ہو۔ دس بارہ سال کی عمر کے بچوں کے لئے موزوں ہو اور ممکن ہو تو ایسی ہو کہ اس سے صلح و آشتی کا سبق اخذ کیا جا سکے۔ نہ قتال و جدال کا۔ یعنی وہ ہو ٹھیٹھ دلیسی کہانی ہو بھی بچوں کے کام کی۔ اور یو۔این کے نصب العین پر بھی پوری اُترے۔ اب ایسی کہانی کا انتخاب وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جن کی کودکی اخبار پھول میں مفعول فاعلاتن کرتے گذری ہو۔ پہلے خیال آیا۔ امتیاز سے پوچھوں۔ لیکن ان سے جلد جواب کی توقع نہیں۔ اس لئے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ عباس بھی تو کراچی ہی میں ہیں۔

آپ دونوں مل کر ایسی کہانی انتخاب نہ کرسکے تو اور کون کرے گا۔ کہانی اُردو میں بھجوا دیجئے۔ میں اس کا ترجمہ یہاں کرلوں گا۔ اور عباس سے کہیئے کہ ان کی کہانیوں کا ترجمہ بھی جاری ہے (یعنی بیماری تک جاری تھا اب پھر متوجہ ہوں گا) امین الدین کے انتقال کی خبر آپ کے خط سے ملی۔ زبیدہ نے میری بیماری کے پیش نظر اِسے مجھ سے پوشیدہ رکھا۔ حسرت کاشمیری اور مجید لاہوری دونوں کو میرا سلام۔ وہ کاشمیری اور لاہوری ایسے ہی ہیں۔ جیسے میں پاکستانی ہوں۔ ہم تینوں کی قسمت ایک ہی فرشتے نے تصنیف کی تھی۔ جس دیار کو فخر بہ ہم نے اپنایا۔ اسی سے اخراج ہوا۔ عنقریب ایک اور خط لکھوں گا۔ پیاس نہیں بجھی۔

خاکسار

بخاری

۱۳

نیویارک

۲۱ نومبر ۵۳ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون! گرامی نامہ یکم نومبر کا لکھا ہوا ملا۔ مختصر لیکن

بہرحال مکتوب محبوب ۔ دِل سیر نہ ہوا ۔ آنکھیں تو روشن ہوئیں ۔ اس
اثنا میں بشیر ہاشمی کا خط بھی ملا ۔ جن دنوں آپ لاہور میں تھے ۔
اور دھڑا دھڑ ضیافتیں آپ کے اعزاز میں ہو رہی تھیں ۔ ان دنوں
وہ بیچارہ ٹائیفائیڈ میں مبتلا تھا ۔ اور ماتم کر رہا تھا ۔ کہ آپ کی
صحبت سے محروم رہا ۔ ان کے میرے درمیان خط و کتابت نے حال
ہی میں ایک مخصوص رنگ اختیار کر لیا ہے ۔ وہ بھی بیمار ہیں بھی
بیمار ۔ وہ بھی برلبِ پنشن میں بھی بر لبِ پنشن ۔ دونوں کے خط
ایک ہی زمین میں ہوتے ہیں ۔ البتہ ان کے کلام میں سوز مجھ سے
زیادہ ہوتا ہے ۔ اور نزاکت طبع بھی مجھ سے وافر ۔ چغتائی کے خطوط
بھی حال میں مسلسل آئے ۔ وہ اپنے گنبد علاج میں میری بیماری سے
بے خبر رہے ۔ چنانچہ ان کے خطوں کا لہجہ بے حد تندرست ہے ۔
اور اکثر مقوی ثابت ہوا ہے ۔ ایک کہانی اُنھوں نے اس دوران
میں لکھ لی ہے ۔ (یہ بات بصیغۂ راز ہے ۔ آپ ہی سے ذکر کر رہا
ہوں ۔ بات باہر نکلی تو وہ برہم ہو جائیں گے) کسی فلم ساز کمپنی
کو یہ افسانہ بخشنا چاہتے ہیں ۔ مجھے یہ خدمت سونپی ہے ۔ کہ اس
کا پہلے انگریزی میں ترجمہ کردوں ۔ اور پھر دوستانہ دلالی کروں ۔ خدا
کرے ایسا ہی ہو ۔ اور ان کی سب توقعات پوری ہو جائیں ۔ لیکن
میرے اختیار و اقتدار و رسوخ کا اندازہ لگانے میں حاتمی دکھائی ہے ۔
ڈائریکٹر تک کا نام تجویز کر ڈالا ہے ۔ کہ وہ ہی اس قسم کے افسانے

کو نبھا سکے گا۔ اور اس آپ یقیناً جانتے ہوں گے ۔ بلکہ دانت کاٹے
کی روٹی ـــــــــ وغیرہ وغیرہ۔

آپ کا اور عباس کا شکریہ ! یہ بچوں کی کہانی جس کی مجھے
تلاش ہے۔ محض حیرانی کام ہے ۔ یو۔ این کی بعض ادھیڑ عمر کی
عورتوں نے ایک مضمون کا "گلڈ" بنایا ہے۔ اس سے پہلے مختلف
اقسام کے کھانوں کے ترکیبی نسخے شائع کر چکی ہیں ۔ اب کہانیوں کی
طرف متوجہ ہوئی ہیں۔ بین الاقوامی پن ، مادریت ، اور تصنیف
تینوں پرندوں کو ایک پتھر سے مارنا چاہتی ہیں ۔ انتیاز کو کیا ہوا!
کبھی خط لکھنے کا نام نہیں لیتے ۔ کئی مرتبہ میں نے پہل کی ۔ مگر ہر
مرتبہ تھک کر بیٹھ گیا ۔ پھر چندے اور احباب کی وساطت سے ان
کو سلام شوق بھیجتا رہا ۔ وہ بھی قبول نہ ہوا ۔ تو اسے بھی ترک کر
دیا ۔ اس بے چارے پر کچھ عجیب سی کہولت سی چھا گئی ۔ سٹوڈیو
اور گھر کے آنگن سے باہر نہیں نکلتا ۔ زبیدہ کے خط سے معلوم ہوا ۔
کہ حجاب اور یاسین کو ٹائیفائیڈ لاحق ہوا ۔ خدا رحم کرے ۔ یہ خبر
سن کر بہت رنج ہوا ۔ لیکن کیا کروں ۔ انتیاز تک عرض نیاز
کرنے کے سب رستے بند معلوم ہوتے ہیں ۔ کبھی آپ سے عشق اللہ
ہو تو میرا سلام کہیئے گا ۔

دو تین دن ہوئے حمید الدین (ابن ڈاکٹر صدر دین مرحوم) امریکہ
پھر وارد ہوئے ۔ ان سے لاہور کا ذکر دیر تک رہا ۔ صوفی کی

اعتنائیوں ملول

بے عنائیوں سے ملوم تھے۔ کچھ تو اس میں حمیدالدین کی اپنی تنگ نظری
بھی شامل تھی۔ لیکن اس سے قطع نظر کچھ حقیقت بھی ان کے بیان میں
ضرور تھی۔ حمید کے خیال میں لاہور بے حد خزاں زدہ ہے۔ گیارہ بجے
کے بعد محتسب تنگ کرتے ہیں اور ہر راہرو کو آوارہ سمجھتے ہیں۔ کچھ
حال عابد علی عابد کا بھی بیان کیا۔ اس کی زندگی بھی سدا نوعروس
رہتی ہے۔ لیکن اگر ماند شیپے ماند کا ورد کرتے معلوم ہوتے ہیں۔

چاہتا ہوں کوئی پبلشر ہم سے ٹیکسٹ بک لکھوا لے۔ عمر بھر
یہ کام نہیں کیا۔ لیکن اب یہ گناہ کرنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ کسی
کو ٹٹول کر تو ذرا دیکھئے۔ میں نے ہاشمی سے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔
آپ لوگ خیال رکھیں تو ممکن ہے۔ کوئی سبیل نکل آئے۔ ناکہ
اس عمر میں جب میں خود یونیورسٹی وغیرہ میں نہیں۔ میری قیمت
گر گئی ہو گی۔ تاہم کوئی عقل کا اندھا نہیں گانٹھ کا پورا مل جائے تو
عجب نہیں عمر بھر میں "نہ" کہتا رہا۔ اب "ہاں" کہنے کو تیار رہوں۔
ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

اور بھی باتیں کہنے کی ہیں۔ لیکن آئندہ خط میں ان کا ذکر کروں
گا۔ آپ کو جب بھی خط لکھنے بیٹھتا ہوں۔ جبراً اسے ختم کرتا ہوں۔
ورنہ عاشق کی داستان اے محبوب کب ختم ہوتی ہے۔ حسرت اور
مجید لاہوری اور اختر ندوی اور عباس اور دیگر احباب کو میرا نام
اور شوق یاد دلا دیجئے گا۔ تازہ تازہ خبر آئی ہے کہ ڈان پر عتاب

نازل ہوا۔ ڈان اور حکومت کے باہمی عشق کے رموز آج تک سمجھ میں نہیں آئے۔ موہانی کا شعر یاد آیا کہ ؎

عشقِ کامل کے دونوں ہیں مرغوب
سحرِ وصل و شامِ تنہائی

خط لکھتے رہیئے۔

خاکسار

بخاری

۱۴

نیویارک

۲۱ نومبر ۱۹۵۳ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون! تجویز ہے کہ میں ایک کتاب ایڈٹ کروں جس کا عارضی نام فی الحال "A STUDY OF PAKISTAN" قرار پایا ہے۔ پندرہ ابواب ہوں گے۔ ہر باب میں پاکستان کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی۔ مصنّف ایک نہیں بلکہ کئی ہوں گے۔ پبلشر کولمبیا یونیورسٹی پریس یا اسی پائے کا کوئی اور امریکن ناشر ہوگا۔ کئی تصاویر اور نقشے وغیرہ بھی کتاب میں شامل ہوں گے۔

مالیات کا باب غالباً محمد علی وزیر خزانہ لکھیں گے۔ بعض تاریخی موضوعات پہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو دعوت دی گئی ہے۔ چند ابواب راقم الحروف لکھے گا۔ ایک باب پاکستان کے جرنلزم پر ہے۔ دو ہزار الفاظ سے پانچ ہزار الفاظ تک۔ میرا خیال ہے۔ کہ آپ سے زیادہ موزوں کوئی شخص نہ ہوگا۔ آپ اُردو میں لکھ ڈالیں۔ انگریزی میں ترجمہ یہاں ہو جائے گا۔ ثواب تو ظاہر ہے۔ شاید خرمے کی صورت بھی نکل آئے۔ ابھی کہہ نہیں سکتا۔ کتاب بہر حال دُنیا بھر میں مشہور ہو گی۔

مضمون عالمانہ ہونا چاہیئے اور آپ کے قلم سے توقع بھی یہی ہے۔ قارئین کے دو پہلو مدِ نظر رہیں۔ اوّل وہ پاکستان کے جرنلزم سے محض بے خبر ہوں گے۔ دوم وہ خود جرنلزم کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سمجھتے ہوں گے۔ کچھ سلسلہ کلام اس قسم کا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ تقسیم سے پہلے ہمارے ہاں اخبارات کی کیا حالت تھی۔ تعداد کیا تھی۔ اشاعت کیا۔ لکھنے والے، ایڈیٹر اور مالک کون؟۔ اخبارات کی چال ڈھال کیا تھی؟ سیاست کے کون سے پہلو اڈیٹر کو مرغوب تھے؟ تقسیم کے بعد جرنلزم میں کیا انقلاب آیا۔ پریسوں کی کیا حالت ہوئی۔ انقلاب کے بعد توازن کہاں کہاں آن کر ٹھہرا۔ اُردو کے کتنے اخبار ہیں۔ انگریزی کے کتنے؟ بنگالی کے کتنے؟ اشاعتیں کیا ہیں؟ موضوعات کیا ہیں؟ اس

پانچ چھ سال کے عرصے میں سب سے زیادہ بحثیں اخباروں میں کن موضوعات پر ہوئیں اور کس قسم کے خیالات کا اظہار ہوا اور اخبارات کی نیاری کیوں کر ہوتی ہے۔ (لیتھو ٹائپ وغیرہ) اشاعتیں کیا ہیں۔ حلیہ اور نقشہ کیا ہے۔ روزانہ ہفتہ وار ایڈیشن، ادبی مضمون، شعر، مجید لاہوری وغیرہ وغیرہ) پریس کے قوانین کس قسم کے ہیں؟ کیا اخباروں کی زد میں آتے ہیں۔ یا اکّا دُکّا (ایسی باتیں احتیاط سے لکھنی پڑیں گی۔ لیکن نہ اس قدر کہ بالکل ہی بے ذوق ہو جائیں۔ اسی لئے آپ کا خیال آیا کہ آپ مبالغہ رو مضموں اعلیٰ درجے کا لکھ سکتے ہیں) مضمون بہرحال معلومات سے پُر ہونا چاہیئے۔ اور یہ آپ کے لیے مشکل نہیں۔ آپ کے مختصر سوانح میں خود لکھوں گا۔ کہیئے کیا خیال ہے؟ خدا کرے آپ کا جواب اثبات میں ہو۔ مضمون کے لئے آپ کو کتنی مہلت درکار ہو گی۔ اوروں کو ایک، دو مہینے کی مہلت دی گئی ہے۔ یہ کم نہیں اور اُمید ہے کہ آپ کو بھی منظور ہو گی۔ جواب سے سرفراز کیجئے۔

ایک باب ادبی رجحانات پر ہے۔ وہ خود لکھنے کا ارادہ ہے۔ لیکن مواد اور مصالحہ یہاں نایبد، یہ تو ایک طرف، یہاں مجھے یہ تک معلوم نہیں، کہ رسالے کون کون سے اور کتنے نکلتے ہیں۔ باقی ایسے مضمون کے لئے جو معلومات درکار ہیں۔ اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ عباس کو بیگار میں پکڑیئے اور ان سے کہیئے کہ

میری مدد کریں۔

جرنلزم کے سلسلے میں خیال آیا۔ کہ اگر کوئی مزے دار اخباری نظمیں پیش نظر ہوں۔ تو ان کا ترجمہ بھی "نمونتہً" شامل کیا جا سکتا ہے۔ اور یہاں کا رٹونوں کا ذکر بھی کیجیئے گا۔ نمونتہً

ذوالفقار سے ریڈیو پر لکھواؤں گا۔ لیکن ذرا وقفے کے بعد۔ وہ آج کل پپّو کی شادی کے انتظام میں منہمک ہوگا۔ شادی مورخہ ۲۵۔دسمبر کو ہے۔ آج ذوالفقار کا خط آیا ہے۔ آج ہاشمی کا خط بھی آیا۔ درسی کتابوں کا بازار مندا معلوم ہوتا ہے۔ بقول ہاشمی کے ہزاروں لاکھوں کا زمانہ گیا۔ اب تو کوئی دو تین ہزار روپیہ سال کا بھی لے مرے۔ تو غنیمت ہے۔ لیکن اس نے مزید تفتیش کا وعدہ کیا ہے۔ ایک کتاب "PUNJAB PRELUDE" نامی میرے پاس ریویو کے لئے آئی ہے۔ مصنفہ کا نام مِس 'PRIOR' ہے۔ جو کچھ عرصہ ہوا۔ ایچی سن کالج میں پڑھاتی تھیں۔ شاید اب بھی پڑھاتی ہوں۔ پاکستان اور پنجاب پر فدا ہیں اور ہندوستان سے متنفر۔ بار بار ثابت کرتی ہیں کہ پنجابی اور انگریز دونوں ایک ہی نسل سے ہیں۔ ایک باب ہاشمی صاحب کے خاندان پر (بہ تفسیر اسما) ہے اور پیار سے لکھا ہے۔ ہیرا منڈی کے جلوے سے بھی واقف ہیں۔ ایک حصہ" بوائے اینڈ گرل ٹربل" کے متعلق ہے۔ ضمیمہ" بوائے اینڈ بوائے ٹربل" کا حال

بھی بیان کیا ہے ۔

خاکسار
بخاری

آج یہاں کے اخبار میں خبر چھپی ہے ۔ کہ کابینہ میں ردوبدل ہونے والی ہے ۔ نیز یہ کہ فوج کے افسروں میں بدلی ہے ۔ اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر قسم کی آفت سے بچائے ۔ ہم یہاں پاکستان کی بہبود اور پاکستانیوں خصوصاً اپنے احباب و اقربا کی بہبود اور سلامتی کے لئے دست بدعا رہتے ہیں ۔

۱۵

نیویارک
۹ دسمبر ۵۳ء

برادرِ محترم !

سلام مسنون ! گرامی نامہ ملا ۔ جو ۳۰ نومبر کا تھا ۔ یہ آپ کے مفصل تر خطوں میں تھا ۔ لہذا بہت لطف آیا ۔ اور ذہن نے لمبی چوڑی مسافت مزے لے لے کر طے کی ۔ مضمون کے متعلق عرض یہ ہے ۔ کہ قبل پاکستان کے ان اخباروں کا تذکرہ دِل سے خالی نہ ہوگا ۔ جیسے

جو موجودہ پاکستانی علاقہ سے شائع ہوتے تھے، تاکہ اس علاقے کی صحافتی مدوجزر کا کچھ حال معلوم ہو۔ نیز اِن اخباروں کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔ جو پاکستانی علاقے سے شائع تو نہ ہوتے تھے۔ لیکن جن کا پاکستانی تحریک سے گہرا تعلق تھا۔ مثلاً "ڈان" اتنا کہنے کے بعد یہ بھی کہنا لازم ہے کہ میرا یہ مشورہ کچھ فضول سا ہے۔ دراصل پاکستانی صحافت کا حال بیان کرنا ہے۔ اب ان کا پس منظر بیان کرنے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہ آپ کے حُسنِ مذاق اور احساسِ ربط پر چھوڑتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر کسوٹی بھی کوئی نہیں۔ البتہ یہ خیال رہے کہ قارئین انگریز اور امریکن ہوں گے۔ اور جس نہج سے یہ باب کتاب میں شامل ہوگا۔ اس سے پاکستانی معاشرت پر روشنی ڈالنا مقصود ہوگا۔ غیر ملکوں کے لوگ ایشیائی ممالک کے بارے میں اکثر باتوں سے بے خبر ہیں۔ اور معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ایشیا کے "لوگ" کس قسم کے لوگ ہیں۔ کیا کر رہے ہیں۔ کیا سوچ رہے ہیں۔ کس رُخ جا رہے ہیں۔ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان خیالات کے زیرِ عنوان صحافت کے بارے میں بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ اس آلۂ جمہور کا ایشیا میں استعمال کیا ہے۔ کون کر رہا ہے؟ کون لوگ اس سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسی باتیں کہ کتنے لوگ اخبار خریدتے ہیں۔ اور (اگر ہر اخبار کئی ہاتھوں سے گزرتا

ہے) کتنے لوگ اخبار پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ کس طبقہ کے ہیں۔ کس قسم کی خبریں زیادہ جاذبِ توجہ ہوتی ہیں۔ کس قسم کی خبریں نادر یا مفقود۔ کون سے طبقے اخبار سے بالکل ہی مامون (یا محروم ہیں) اس نوع کی باتیں یہاں لوگوں کے لئے از حد دلچسپ ہوں گی۔ لوگوں کو یہاں کرید رہتی ہے کہ ایشیائی ممالک جنہوں نے حال ہی میں آزادی حاصل کی ہے۔ اپنی آزادی کو کیا لباس پہنا رہے ہیں۔ اس کے تحت میں آپ جانتے ہیں صحافت ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ لوگ اکثر اس کے متعلق سوالات پوچھتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب میں کراچی میں تھا۔ مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ آئین کے متعلق اچھی بری جتنی بھی بحثیں ہو رہی ہیں۔ وہ اخبارات کے کالموں ہی میں ہو رہی ہیں اور ممالک میں اس کے علاوہ انجمنوں، سیاسی جماعتوں، جلسوں اور لیکچروں میں بھی مختلف آراء کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوا۔ جہاں تک میرا خیال ہے یا تو لوگوں نے دوستوں کے حلقوں میں بحثیں کیں۔ یا اخبارات میں آئینی اقدامات کے عالۂ و ما علیہ پر بحث ہوئی اور بس۔ اب اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس قسم کی کئی باتیں آپ کے بہار آفریں دماغ کو خود ہی سوجھیں گی۔ آفتاب کو چراغ کیا دکھاؤں۔ "ماہِ نو" والا مضمون مجھے بھجوا دیجئے۔

"ادبی رجحانات" کے متعلق عرض کیا تھا۔ کہ میری جانب سے عباس سے استمداد کیجئے۔ اس کے متعلق آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ آپ کہیں تو میں اس سے براہِ راست خط وکتابت کروں۔ شاید آپ کو اس میں سہولت ہو۔ بچوں کی کہانی کے متعلق آپ کی مساعی کا شکریہ! امتیاز کے خط کا انتظار کر رہا ہوں۔

ہاشمی کہتا ہے۔ کتابوں والی بات یہ ہے کہ حالات قطعی وہی ہیں۔ جو اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں۔ ہاں سالک صاحب کراچی کے امریکن پبلشرز کو اور ٹٹول لیں تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ ہاشمی صاحب کا ارشاد آپ کے گوش گذار کر رہا ہوں۔

اس خط کو ختم کرتا ہوں۔ عنقریب ایک اور خط بلا وجہ لکھوں گا۔ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے۔ صحت بہت خراب ہے۔ آج چوہدری ظفر اللہ خاں یہاں سے رخصت ہوئے۔ سیاحت کرتے کراتے ۵ جنوری کو کراچی پہنچیں گے۔ اسمبلی ختم ہوئی۔ اب نسبتاً ذہن پر بوجھ کم ہوگا۔

خاکسار

بخاری

خط کے پتے پر میرا نام لکھ دیا تو منصب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھا آپ کو اس کے لئے بہت ہی خفی قلم استعمال کرنا پڑا۔ اس سے مجھے خفت ہوئی۔

۱۶

نیویارک

جانِ برادر!

سلام مسنون! کئی دن سے آپ کا خط نہیں آیا۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ آپ کا آخری خط اغلباً وہ تھا جس میں آپ نے "زمزمہ" کے تاریخی حالات لکھ بھیجے تھے۔ اس کا میں نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اچھا خاصا پُر از معلومات مقالہ بن گیا۔ اور اس کی بدولت میں مفت میں تاریخ دان بن گیا۔ ہینگ لگی نہ پھٹکری۔ ترجمہ بھی کیا نعمت ہے۔ اسی لئے تو احباب سے عرض کرتا ہوں کہ ترجمہ کے لئے مصالحہ فراہم کیجئے۔ عباس نے اس بارے میں دستگیری کا وعدہ کیا تھا۔ ایک خط بھی اس مضمون کا اُنھوں نے لکھا تھا۔ پھر خاموش ہو گئے۔ میں تو یاددہانی کرا دیجئے گا۔ آج کل پژمردہ رہتا ہوں۔ تخفیف کی زد میں آگیا ہوں۔ تجویز ہے کہ اس عہدے کو فوراً یعنی اپریل سے سفیر سے گھٹا کر وزیر کر دیا جائے۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ مجھے یہاں سے بدر کیا جاتا۔ لیکن اربابِ اقتدار نے اتنا کرم ضرور کیا کہ اگر مجھے وزیر بننا بھی منظور ہو تو یہاں سے نہ نکالا جاؤں گا۔ میرے حالات آپ

جانتے ہیں ۔ جس عارضے یعنی سرطان کا خطرہ لاحق ہے ۔ اس کی وجہ سے
میں یہاں سے ہل نہیں سکتا ۔ چنانچہ یہی منظور کر لیا ۔ مرتا کیا نہ کرتا ۔
اب نہ معلوم یہ بھی کب تک ہے ۔ اکتوبر میں اپنی مستقل ملازمت سے
ریٹائر ہو رہا ہوں ۔ (وقت گذر گیا ۔ اور ہمیں اس کا احساس بھی نہ
ہوا ۔ ریٹائر ہونے کا سال اور مہینہ بھی یاد نہ تھا ۔ خط لکھ کر وزارتِ
تعلیم سے دریافت کیا ۔ جواب آیا ۔ تو چونک اٹھا) نہ معلوم اکتوبر
کے بعد کیا حشر ہو ۔ توسیع ملے نہ ملے اور ملے تو کیا شرائط پر اور
کیا کام مجھ سے لیا جائے ۔ میں بھی عجیب خوش فہم ہوں ۔ اب تک
یہی غرّہ تھا کہ اس عہدے پر ہم نے وہ خدمت گذاری کی ہے ۔
اور رستم کی گور پر وہ لات ماری ہے کہ ہمیں یہاں سے کہیں اور
منتقل کرنے کا خیال بھی کسی کو نہ آئے گا ۔ لیکن ملازمت تو ایک
چکی ہے ۔ چکی میں دانے کی کیا حیثیت ہے کہ چاہے تو پیسے اور
چاہے تو نہ پیسے ۔ عرض معروض تو کی ہے ۔ دیکھئے کیا حشر ہو ۔
آپ جانتے ہیں ۔ میں عمر بھر جنبہ داری سے دور رہا ہوں ۔ محض
خدمت گذاری اور خدا پر اعتماد رہا ہے ۔ کون ہوگا ۔ جو اپنی
مصلحتیں چھوڑ کر میری بہبودی کا بیڑا اٹھالے ۔ بہر حال مترس
از بلائے کہ شب درمیان است ۔ محمود نظامی یہاں سے گذرے ۔
دو شامیں ان کی صحبت میں بسر ہوئیں ۔ زندہ دل انسان ہیں ۔
"اس بازار میں" کا نسخہ ملا ۔ بعض مقامات اس میں نہایت دل چسپ

ہیں۔ بعض خطیبانہ ہیں۔ دونوں کا لطف اپنی اپنی جگہ آیا۔ بعض لطیفے اس میں نادانستہ وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۱۰۱ "بعض حاشیہ نشین جنہیں میرے گوشت کی چاٹ پڑ چکی ہے" جو معنی فوراً ذہن میں آئے وہ اسفل کی طرف راجع تھے۔ لیکن دوبارہ غور کیا تو اصل معنی روشن ہوئے۔ آخری باب میں جو پنجابی گیت شامل کئے ہیں۔ ان میں سے بعض کئی روز دماغ میں گونجتے رہیں گے۔

میری لگدی کسے نہ ویکھی، تے ٹٹدی نوں جگ جاندا

اگ بال کے دھوئیں دے پج رو داں

ماچھے دیئے بند بوتلے۔

تیرے لونگ دا پیا لشکارا۔ تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

کتنا نشہ ان بے ساختہ جملوں میں بند ہے۔ پج کے معنی مجھے نہ آتے تھے۔ معلوم ہوا "آڑ" کے مترادف ہے۔ جیسے یہ بھی معلومات میں اضافہ ہوا۔ اس خط کی رسید فوراً بھیج دیجئے گا۔ اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ اب پاکستان میں ہر طرح امن و امان ہے۔ خدا ہم سب کا نگہبان ہو۔

خاکسار

بخاری

۱۷

برادرِ محترم!

سلام مسنون! اس ڈاک میں دو خط ملے۔ ایک آپ کا۔ ایک والد کا۔ دونوں کے جذبات ایک سے تھے۔ گو مضمون مختلف تھے۔ دونوں کا اثر طبیعت پر ایک سا ہوا۔ فی الحال انفلوئنزا میں مبتلا ہوں۔ تیز بخار ہے اور ڈاکٹر کے مفصل معائنے کے بعد معلوم ہوا۔ کہ اس جسمِ فانی میں کئی اور نقائص پیدا ہو چکے ہیں۔ جن کا مجھے گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ قلب کی حرکت، خون کا دباؤ، جگر و معدے کی حالت، ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ بہرحال اب یہ توقع تو ہمیں بھی نہ تھی۔ کہ زندگی ابدی ہے۔ نہ اس بات سے لاعلم تھے۔ کہ جوانی آنی جانی چیز ہے۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ کشاکشِ غمِ پنہاں نے وقت سے پہلے بے کار کر دیا۔ بہرحال بقول ابلا دہیلر دلکاکس کی اس نظم کے جس کا ترجمہ آپ کسی زمانے میں مشاعروں میں زور و شور کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ رونا تنہائی پسند ہے۔ اس لئے اب کیا آپ کی سمع خراشی کروں۔ بہتیری کر چکا ہوں۔

آمدم برسرِ مطلب۔ حالات وہی ہیں۔ جو آپ نے بیان کئے ہیں۔ پالاں اور طوقِ زریں کے متعلق آپ نے جو نظریہ بیان کیا ہے، وہ بھی

حرف بحرف صحیح ہے ۔میری صرف اتنی درخواست تھی ۔کہ آپ کو میرے اخلاص یا مستعدی پر بھی شبہ نہ ہونا چاہیئے ۔میرے خط کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہ تھا ۔کہ آ عندلیب مل کر کریں آہ و زاریاں ۔مجھ سے جو کچھ بن پڑا ۔جب بن پڑا ۔ میں دریغ نہ رکھوں گا ۔ اس میں کوتاہی ہو تو اپنی روسیاہی سمجھوں گا ۔کہنا صرف یہ تھا کہ میرے ہاتھ پاؤں اس وقت بُری طرح بندھے ہوئے ہیں ۔اس لئے میری بے بسی کو میری ہی محرومی سمجھیئے ۔اس بے اعتنائی پر محمول نہ کیجیئے ۔ فی الحال اتنا کیجیئے ۔کہ لاہور میں جو صاحبِ اختیار ہیں ۔ ان سے کسی وقت ملیئے ۔ امتیاز کی معیت میں ملنا ہو تو اور بھی بہتر ہو گا ۔دو ایک دن میں انہیں بھی پیغام بھیجوں گا ۔ اور جو ترکیب میرے ذہن میں آئی ۔ وہ انہیں سمجھاؤں گا ۔ ملتے وقت میرا نام بھی لے دیجیئے اور کہیئے کہ میں اس کے ایما سے مل رہا ہوں ۔ برادر محترم ان کشمکشوں میں کئی معرکے اور مرحلے پیش آتے ہیں ۔لا محالہ مسلسل کوشش اور صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا ۔قسمت یاور ہو تو کامرانی جلد نصیب ہو جاتی ہے ۔ ورنہ بعض اوقات شکیب آزما صبر کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ یہ وہ باتیں ہیں ۔ جو آپ کہیں اور میں سنوں ۔ برعکس اس کے میں آپ کو نصیحت کر رہا ہوں ۔ میں مجبور بلکہ معذور نہ ہوتا ۔تو آپ کو اس معاملے میں ذرا بھی تشویش نہ ہونے دیتا ۔ لیکن کیا

کروں ؎

نہ کبوتر حرم من نہ بدست جام جم من
کہ نہ بام من بلندے نہ کمند من درازے

مجھے اس خط کا جواب ضرور دیجئے۔ خواہ جواب پریشانی کے سوا کچھ نہ ہو۔ کم از کم اپنی پریشانی میں مجھے ضرور شریک کر لیا کیجئے۔

آپ کی محبت، شفقت، علو فطرت کی بدولت بسا اوقات مجھے تقویت نصیب ہوئی ہے۔ جب آپ پریشان ہوں۔ تو یہ گوارا نہیں کہ مجھے اس پریشانی کا حصہ نہ ملے۔ میرا اختیار ہوتا۔ تو میں آپ کے پاس اس کا عشر عشیر بھی نہ رہنے دیتا۔

میرا دہاں کا معاملہ فی الحال از حد نازک اور بہت مخدوش مرحلے میں سے گزر رہا ہے۔ کبھی فرصت ہو تو من موہن سے مل لیجئے۔ شائد وہ آپ کے مشورے یا مدد کے محتاج ہوں۔ مجھ میں اب اتنی ہمت نہیں۔ کہ سعی کر سکوں۔ صوفیا کا توکل بزدل اور کمزور ہی سہی۔ لیکن کمزور کے پاس اس کے سوا اور مسلک بھی کیا ہے۔
آپ کی بھابھی سلام کہتی ہیں۔ آپ کو بھی اور گھر کے لوگوں کو بھی۔

خاکسار

بخاری

۱۸

۱۳ تغلق روڈ نئی دہلی

۱۹ ر دسمبر

برادرِ محترم!

سلام مسنون! فی الحال نیوز ایجنسیاں غیر انگریزی اخبارات کو بھی خبریں انگریزی ہی میں بھیجتی ہیں۔ اور اخبارات خود اپنے مترجموں سے ان کا ترجمہ کرا کر چھاپتے ہیں۔ اس سسٹم کے نقائص یہ ہیں۔

۱۔ نیوز ایجنسیوں کو خبریں جمع کرنے کے لئے لامحالہ ایسے کارسپانڈنٹ رکھنے پڑتے ہیں۔ جو انگریزی سے کماحقہ واقف ہوں۔ محض دیسی زبانیں جاننے والے کارسپانڈنٹ (خواہ انہیں اپنی زبان میں کتنی ہی مہارت حاصل ہو) کارسپانڈنٹ نہیں بن سکتے۔

۲۔ تمام واقعات کی خبریں انگریزی ہی میں جمع کی جاتی ہیں۔ حالانکہ مفصلات میں کئی ایسے دلچسپ واقعات پیش آتے ہیں۔ جو دیسی زبانوں ہی میں بخوبی ادا ہو سکتے ہیں۔

۳۔ ہر غیر انگریزی اخبار کو ایک دو تین مترجم رکھنے پڑتے ہیں۔ بضاعت کم ہو تو مترجم تھوڑے اور کم سواد ہوتے ہیں۔ اور خبروں کی ہیبت ناقص ہوتی ہے۔ علاوہ براں ترجمے میں وقت صرف ہوتا ہے۔

ان نقائص کو رفع کرنے کے لئے نیز دیسی زبانوں کی عزت افزائی
کے پیش نظر کیا یہ نہ بہتر ہوگا کہ نیوز ایجنسیاں اپنے کارسپانڈنٹوں
سے خبریں دیسی زبانوں ہی میں منگوائیں۔ اور انہی زبانوں میں اخبارات
کو بھیج دیں۔ یعنی ایسوسی ایٹڈ پریس کا نامہ نگار جھنگ (مثلاً) اپنے
ہیڈ آفس کو خبر اردو میں بھیجے۔ اور نیوز ایجنسی کا ہیڈ آفس آپ
تک وہ خبر اردو ہی میں پہنچا دے، جو آپ بعینہ یا انتخاب و
اختصار کے بعد بغیر مترجم کی ضرورت پیش آنے کے اخبار میں
چھاپ سکیں۔

اب اگر آپ کو اس میں کوئی فائدہ یا سہولت نظر آتی ہے۔
تو پھر دوسرا سوال یہ ہوگا کہ ایسی خبریں ٹیلی پرنٹر پر کیوں۔ بھیجی
جائیں گی۔ اس کا جواب سوائے رومن رسم الخط کے اور کچھ نہیں۔
رومن حروف اور دیسی زبانوں کے حروف کی آپس میں پوری
پوری تطبیق ممکن نہیں۔ لیکن شاید اس کی ضرورت بھی نہیں۔
دیسی زبانیں اچھی خاصی آسانی کے ساتھ رومن حروف میں منتقل
کی جا سکتی ہیں۔ شائد کہیں کہیں ابہام رہ جائے۔ لیکن سیاق و
سباق اکثر ابہام کے رفع کرنے میں مدد دے گا۔ جہاں اس سے
بھی کام نہ چلے۔ شائد دقت ہو۔ لیکن ابہامات کا خطرہ تو موجودہ
سسٹم میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ بعض تراجم اصل سے بہت دور
جا پڑتے ہیں۔

اس مسئلے پر اپنی رائے سے مستفید فرمایئے اور اگر ہو سکے تو یہ بھی فرمایئے کہ عام طور پر دوسرے دیسی اخبار کس حد تک اس بدعت یا جدت کا خیر مقدم کریں گے۔ ممکن ہے یہ مسئلہ پہلے بھی آپ کے زیرِ غور رہ چکا ہو۔ اور آپ اس کے نشیب و فراز پر دماغ سوزی کر چکے ہوں۔ مجھے اس میں ترقی کے بہت سے امکانات نظر آئے۔ اس لئے آپ کی طرف رجوع کیا۔ کہ آپ کی رائے دریافت کر لوں۔ جواب کا منتظر

بندۂ خاکسار

بخاری

۱۹

برادرِ محترم!

سلام مسنون!

گرامی نامے کا شکریہ! میاں صاحب کی معاملہ فہمی اور آپ کی معاملہ فہمائی کی بدولت خاطر خواہ فیصلہ ہو گیا۔ کل محکمہ کے نام چیٹرجی کا خط پہنچا کہ پرنسپل کا عہدہ یکم مارچ سے خالی ہو گا۔ لہٰذا مجھے بر وقت سبکدوش کر دیا جائے۔ چیٹرجی کے ایک نجی خط

اور میاں صاحب کے ٹیلیفون سے معلوم ہوا۔ کہ ڈکنسن یکم مارچ سے رخصت لے گا۔

اپنا ارادہ اب یہ ہے کہ جنوری فروری کی چھٹی لے لوں۔ بہرحال دسمبر کے آخر تک قطعی طور پر اس عہدے سے فارغ ہو جاؤں گا۔

آپ کی تگ و دو کا شکریہ دوست وہ ہے جو کہ۔۔۔۔ الخ۔

اس مصرعے کے مطابق پکڑنے کے جو معنی نکلتے ہیں۔ ان کے مطابق دھکڑنے کے کیا معنی ہوئے؟ اور " پکڑ دھکڑ" کس کو کہتے ہیں۔ ایک نسخہ مثلاً یہ ہے کہ دوست وہ ہے جو کہ دھکڑے دوست کو۔

لطیفہ :۔ انگریزی روزمرہ میں رخصت کے وقت ٹا ۔ ٹا کہتے ہیں۔ جس کے معنی گڈ بائی کے ہیں۔ یار لوگوں نے تجویز کیا ہے کہ چونکہ دہلی کے اربابِ اقتدار پر آج کل کے سرمایہ دار چھائے ہوئے ہیں۔ اس لئے دہلی میں جس طرح السلام وعلیکم کے جواب میں وعلیکم السلام کہا جاتا ہے۔ اِسی طرح ٹا ۔ ٹا کے جواب میں اسی لہجے میں برلا۔ ڈالمیا بولا جائے۔ جو لوگ دیندار ہندو ہیں اور جے رام جی کی وغیرہ کہتے ہیں۔ انہیں چاہیئے اب سری رام (یعنی سر شری رام مالک دہلی کلاتھ ملز) کہا کریں۔ غصے کے اظہار کے لئے موزوں ترین لفظ " گاندھو" ہے اور اسے" قومی" گالی بنا لینا چاہیئے۔ جابے گاندھو۔

نومبر کے تیسرے ہفتے میں لاہور دورے پر آنے کا ارادہ ہے۔

ملاقات ضرور ہوگی۔ سُنا ہے امتیاز لاہور واپس آگیا ہے۔ نہ خط لکھتا ہے نہ ملتا ہے۔ دہلی سے شمال جنوب کو گذر جاتا ہے۔ اور ہم سے نہیں ملتا۔ جیسے عصمت بجائے بھڑنا ہو۔ ملے تو ڈانٹیے گا۔

خاکسار

بخاری

۲۰

برادرِ محترم!

سلام مسنون!

گرامی نامہ ملا آپ نے جو زحمت اُٹھائی۔ اس کے لئے آپ کا ممنون ہوں۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ مجھے میاں صاحب کے دہلی آنے کا علم نہ تھا۔ کل (یا ممکن ہے آج ہی) چیٹرجی کے یہاں ملاقات ہوگی۔ وہ اور میاں صاحب دونوں کا سفر دہلی ایک دوسرے سے غیر متعلق ہو۔ بہرحال ہیں میاں صاحب سے بھی مل لوں گا۔ اور آپ کو جملہ کوائف سے مطلع رکھوں گا۔

زبیدہ نے آپ کا خط پڑھا۔ آبدیدہ ہو کر آپ کے بچوں کو

دُعائیں دیں۔ کہنے لگیں۔ سالک صاحب نے اس خط میں ہماری واپسی پر ذرا بھی اظہارِ خوشنودی نہیں کیا۔ میں نے کہا میرا خط بالکل کاروباری تھا۔ اس کا ویسا ہی جواب ضروری تھا۔ باقی حسابِ دوستاں در دل۔ بہر حال عرض نہیں کر سکتا۔ کہ لاہور واپس آنے کے خیال سے زندگی میں ابھی سے کتنی تازگی پیدا ہو گئی ہے۔ جانتا ہوں۔ کہ دس سال کا عرصہ اپنی طبیعت میں اور حالات میں کئی ایسی تبدیلیاں پیدا کر سکتا ہے۔ جس سے وہ پہلے کا سا نقشہ نہ جم سکے۔ با ایں ہمہ کئی مرتبہ اور کئی موقعوں پر دل کو ٹٹول کر دیکھ لیا ہے۔ اور سب نشیب و فراز دیکھنے، کئی تلخیاں چکھنے اور کئی غلطیاں کرنے کے بعد بار بار اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحیِ مے ناب و سفینہ غزل است

لاہور میں جو دوست تھے۔ وہ سب اپنے محور پر قائم ہیں۔ جُگل لاہور میں نہ جانے کب تک ہے۔ امتیاز کی یکسوئی کی کئی داستانیں سُنتا ہوں۔ لیکن ایک سالک ہے جس کا حسن کلوپیٹرا کی طرح بقول شکسپیر کے دَورِ زمانہ سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔ میرے لئے لاہور اگر کسی شخص کا نام ہے تو وہ آپ ہیں۔ یہ سوچ کر کے ایک بار پھر آپ کی طویل صحبتیں نصیب ہوں گی۔ اور فراغت بے خلل ہو گی۔ طبیعت میں ایک ہیجان سا پیدا ہوتا ہے۔ بہت تھک گیا

ہوں۔ دس سال میں کوئی چھٹی نصیب نہ ہوئی۔ آپ ہوں گے۔ ہاشمی ہوں گے۔ بے خودی وخرمی بے خلل ہو گی۔ اور اگر خرمی بے خلل اس دنیا میں کسی کو نصیب نہیں۔ تو بہرحال اس کے قریب ترین کیفیت جو نصیب ہو سکتی ہے۔ وہ مجھے لاہور ہی میں ہو گی۔ جذباتی سی باتیں ہیں۔ لیکن محض اضطراری نہیں۔ ان باتوں پر میں نے بہت کچھ دماغ سوزی کی ہے۔ کوئی اور بات علم میں آئے تو مجھے مطلع رکھیئے گا۔

خاکسار

بخاری

۲۱

۱۳، تغلق روڈ نئی دہلی

۱۰ر جنوری

برادرِ محترم!

سلام مسنون! کل ایک خط آپ کو لکھا تھا۔ اس خط کو اس کا ضمیمہ سمجھ لیجئے۔ رات میرے ہاں یارانِ طریقت کھانے پر جمع تھے۔ تاثیر اور ذوالفقار بھی یہیں ہیں۔ ان کے علاوہ آغا حمید، حفیظ، فیض، راشد، حسرت، عباس، مجید ملک سب موجود تھے۔

میں نے سب کو ایک طرح کا مصرعہ دے رکھا ہے۔ سہ

گماں اور ہی تھا مجھے بدگماں پر

شرط یہ تھی کہ ہر ایک چند اشعار اس طرح پر ضرور لکھ کر لائے۔ چنانچہ سب نے حتیٰ کہ میں نے اور آغا حمید نے بھی طبع آزمائی کی۔ جب اس طرح شیاطین جمع ہوئے۔ غزل بھی کہی گئی۔ ہزل بھی لکا گیا۔ اور دونوں اضاف میں خوب خوب شعر ہوئے۔ اس طرحی مشاعرے کے بعد سنجیدہ شاعری کی طرف رجوع ہوئے۔ ذوالفقار، تاثیر، حفیظ اور فیض نے اپنا تازہ کلام سُنایا۔ پھر خوش گپیاں ہوئیں۔ رات کے ڈھائی بجے مجمع برخاست ہوا۔ اور میں دُور دُور رہنے والوں کو موٹر پر گھر پہنچا کر سوا چار بجے خود گھر پہنچا۔ ممکن نہ تھا کہ یہ سب لوگ جمع ہوں اور آپ کا ذکر ایک مرتبہ نہیں ہزار بار نہ ہوا ہو۔ جب یہ خبر سُنی کہ آپ ۲۰ر جنوری کے لگ بھگ آ رہے ہیں۔ تو مُصر ہوئے کہ آپ کے آنے پر پھر ایک ایسا مجمع اور ایک ایسا مشاعرہ ہو طرح تجویز ہوئی کہ "وہ کون سی زمین ہے جہاں آسمان نہیں"۔ (قافیہ جہاں، آسماں) اور مجھ سے کہا گیا۔ کہ سالک صاحب کو مطلع کر دُوں۔ کہ وہ اس طرح پر غزل ہزل دونوں لکھ کر لائیں۔ اور قیام کی تاریخیں بتائیں۔ تاکہ باقاعدہ پروگرام بنایا جائے۔ آپ کے آنے تک تاثیر یہاں ہوں گے۔ ذوالفقار لاہور اور بعد ازاں بمبئی جا رہے ہیں۔ لیکن

ممکن ہے وہ بھی اس وقت تک لوٹ آئیں۔

اس طرح پر آپ کو طبع آزمائی ضرور کرنی ہوگی۔ ورنہ سب کو مایوسی ہو گی۔ اور بزل کو نظر انداز نہ کیجئے۔ ورنہ مایوسی کے علاوہ صدمہ ہوگا۔ آپ کو فرصت ممکن ہے۔ کم ہو۔ لیکن یہاں بھی ایک تاثیر کو چھوڑ کر باقی سب عدیم الفرصت ہیں۔ آپ ہی ہیں کیا سرخاب کا پر لگا ہے۔

اور آنے اور ٹھہرنے کی تاریخیں ضرور بتائیے۔ ایک آدھ دن کا قیام ہمیں پسند نہیں۔ ایک آدھ دن کو آنا ہو۔ تو آنے کی زحمت گوارا نہ فرمائیے۔ وہیں سے اپنی ٹاک کا ریکارڈ بھروا کر بھجوا دیجئے۔ ہمیں یہ از حد ناگوار گذرے گا کہ آپ آئیں بھی تو اس طرح کہ گھڑی دو گھڑی کو مل کر بیٹھنا بھی نصیب نہ ہو۔ دن بھر سب لوگ معاش کے مخمصوں میں گرفتار رہتے ہیں۔ جب تک ایک دو نئی شامیں میسر نہ ہوں۔ ہم تشنہ کاموں کی کیا تسلی ہو گی۔ یاد رکھیئے کہ آپ کے قیام کی آخری شام محض بے کار ہو گی۔ کیوں کہ نو بجے کے قریب گاڑی جاتی ہے۔ مکان اسٹیشن سے نو میل ہے۔ آٹھ بجے تو آپ روانہ ہو ہی جائیں گے۔ چنانچہ آخری شام کو ہمارے حساب میں شمار نہ کیجئے۔

خاکسار

بخاری

۲۲

۲۰ر جنوری

برادرِ محترم!

سلام مسنون! گرامی نامہ ملا۔ معاملہ کے متعلق ردک تھام کی مساعی ابھی تک جاری ہیں۔ اور اس میں بہت کچھ دوڑ دھوپ ہو رہی ہے۔ اگر ہمارے بزرگوں نے ذرا ہٹ سے کام لیا اور عزم جزم کا اظہار کیا تو ممکن ہے بلا کسی حد تک ٹل جائے۔ کیوں کہ یہاں تو مقابلہ ہٹ کا ہٹ سے ہے۔ ابھی تک کلّی فیصلہ نہیں ہوا۔ دونوں طرف سے کچھ ضد کچھ اخلاق کا اظہار ہو رہا ہے۔ خدا کرے اخلاق محض ہماری طرف سے اور ضد محض ان کی طرف سے نہ ہو۔ اس میں کچھ شبہ کی گنجائش نہیں ہیں۔ اس لئے ابھی مطلع صاف نہیں ہوا۔ اور نتیجے کے متعلق اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ تاخیر ہو رہی ہے۔ لیکن بہرحال اپنی تیاری مکمل کر رکھنی چاہیئے۔ مجھے نتیجے کے متعلق کچھ ایسا حسن ظن نہیں۔ یہاں بابائے اُردو سے بھی چند در چند مشورے ہوتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ معاملہ حسب منشاء طے نہ ہوا۔ تو وہ علاوہ یہاں کام کرنے کے فوراً لاہور بھی آ جائیں گے۔ اور اہلِ صحافت کو مالہٗ و ما علیہ سے آگاہ کریں گے۔ اور لائحہ عمل کے متعلق مشورہ دیں گے۔ اس بیان

کو تیار کر لیا گیا ہے۔

میرے بُن ران میں عرصے سے ایک مسا نکلا ہوا تھا۔ بڑھتے بڑھتے پون انچ کے قریب ہو گیا اور اس کی بیخ بھی کوئی پون انچ کے برابر ہو گئی۔ مدّت سے ارادہ تھا۔ کہ اِسے کٹوا ڈالوں۔ "کُنتھاں" ہونے کی وجہ سے تکلیف دینے لگا تھا۔ مصروفیتوں نے مہلت نہ دی۔ اب رخصت لی ہے۔ تو یہ خرخشہ بھی پاک ہو گیا۔ کاٹنے کے بعد دو تین ٹانکے لگانے پڑے۔ اس لئے نرسنگ ہوم میں چلا گیا۔ وہاں پانچ چھ دن ڈریسنگ گاؤن میں فرصت اور یکسوئی نصیب۔ پھر واپس آگیا۔ کوئی تشویش کی بات نہیں۔ جو مضغۂ گوشت کٹا تھا۔ اس کا معائنہ کرا رہا ہوں۔ شبہ ہے کہ سرطان نہ ہو ڈاکٹر اس شبہ پر ہنستے ہیں۔ لیکن دُودھ کا جلا ہوں۔ اس لئے احتیاط کرتا ہوں۔ صحت اچھی ہے رُخصت کے ایام میں برسوں سے جو کام معرضِ تعویق پڑے ہوئے تھے۔ ان کو نبٹانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب احساس ہوتا ہے کہ اس دس گیارہ سال میں اپنی ذاتی مفاد اور بہبود سے کس قدر غفلت برتی ہے۔ ساتھ ساتھ مطالعے کا شوق بھی اُمنڈ کر آیا ہے۔ تاریخ اسلامیہ کے بارے میں میرے مطالع میں کئی رخنے ہیں۔ ان کو بھرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اُدھر ہسپانیہ کی تاریخ پڑھ چکا ہوں۔ اِدھر عباسیوں کے آخر تک پہنچ چکا ہوں۔ شعر العجم کے بھی پانچوں حصے پڑھ ڈالے

فسانۂ آزاد کا خلاصہ کر رہا ہوں ۔ تاکہ ایک تنہائی میں سما جائے ۔ اور اس کی لذت وہی رہے ۔ دوستوں کی صحبت سے پھر رُوحِ دوراں کو سیراب کرنے کے لئے بے قرار ہوں ۔ اور دن گن رہا ہوں ۔

خاکسار

بخاری

۲۳

۱۹ ، اکتوبر

برادرِ محترم !

سلام مسنون ! میرے تقرر کی معیاد پانچ سال تھی ۔ جو اپریل ۱۹۲۶ء کو ختم ہو گی ۔ وائسرائے کے مشورے سے فیصلہ ہوا ہے ۔ کہ مجھے مزید پانچ سال کے لئے رکھا جائے ۔ اب پنجاب گورنمنٹ سے پوچھا جائے گا ۔ ایک آدھ ہفتہ کے اندر یہاں سے خط روانہ ہو گا ۔ ٹھیک کس تاریخ کو اور مکتوب الیہ کون ہو گا ۔ یہ ابھی مجھے معلوم نہیں ۔ جب معلوم ہوا تو آپ کو مزید اطلاع دوں گا ۔ بہر حال ممکن ہے ۔ مجھے کوئی علم نہ ہو ۔ اور خط روانہ ہو جائے ۔ پنجاب کے اربابِ حل و عقد کا سنبھالنا اب آپ کے سپرد کرتا ہوں ۔ گو یقین نہیں ۔ وہ معترض ہوں ۔ میرے واپس آنے سے کئی اصحاب کو ترقی معکوس

ملے گی۔ اس لئے افسروں میں سے کون ایسا ہوگا۔ جو مجھے دُور نہ رکھنا چاہے۔

دو ایک نقطے قابلِ غور ہیں۔ اوّل تو یہ کہ میرے جیسے افسر کے معاملے میں معیاد کا مقرر کرنا محض ایک اخلاقی اور رسمی بات ہوتی ہے۔ میں کنٹریکٹ آفیسر نہیں۔ مستقل سرکاری ملازم ہوں۔ نہ میں آئی۔ سی۔ ایس وغیرہ کا رکن ہوں۔ جن کا صوبوں سے مرکز اور مرکز سے منتقل ہونا خاص قواعد وضوابط سے منضبط کر دیا گیا ہے۔ میں خواہ پانچ سال صوبوں سے باہر کام کروں۔ خواہ دس سال کے لئے بہرحال اور ہر وقت پوزیشن یہی رہتی ہے کہ میرا LIEN قائم رہتا ہے۔ یعنی مرکز صوبہ اور میں خود۔ ہم تینوں میں جو جس وقت چاہے میری واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور اس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا تقرر کی معیاد کا معین کرنا در اصل کچھ معنی نہیں رکھتا۔ بجز اس کے کہ اس سے سب متعلقہ لوگوں کے ذہن میں ایک اندازہ سا رہتا ہے۔ علاوہ ازیں پنجاب میں میرا LIEN SUSPENDED ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میری عدم موجودگی کی وجہ سے میری آسامی پر حکومت پنجاب کو کسی اور شخص کے مستقل کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ مجھے مزید پانچ سال کا آفر حکومتِ پنجاب سے پوچھنے کے بعد کیا جائے گا۔

آپ اس معاملے میں کس طرح جنبانی کریں گے۔ یہ آپ پر چھوڑتا

ہوں۔ وہ نہ ہو کہ آپ کی کسی سعی سے لوگ یہ اندازہ لگائیں کہ کوئی
بہت اہم بات ہے۔ رحیس پر کھینچا تانی کا امکان ہے۔ حالانکہ دراصل
یہ صورت نہیں۔ اگر برسبیلِ تذکرہ یہ بات ہو جائے۔ اور کوئی اس پہ
دو ہفتوں کے دوران میں نگاہ رکھے۔ تو مفید ہوگا۔

میں آج P.E.N کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے جے پور جا
رہا ہوں۔ وہاں "THE URDU WRITER OF OUR TIMES"
پر ایک پیپر پڑھ رہا ہوں۔ دو تین دن ہوئے بمبئی سے واپس آیا ہوں
وہاں امتیاز حجاب سے ملاقات ہوئی تھی۔ امتیاز کو سوائے فلم کے اور
کسی چیز کا شوق معلوم ہوتا ہے۔ نہیں رہا۔ اس سے کچھ رنج ہوا۔
وہاں یہ خیال آیا کہ آپ کو کبھی محض سیر و آرام کی غرض سے بمبئی جانا
چاہیئے۔ وہاں آج کل ذوالفقار ہیں۔ آپ کا قیام یقیناً ان کے
پاس ہوگا۔ مرنے سے پہلے ایک دفعہ سمندر تو دیکھ لینا چاہیئے۔ گو آپ
ابھی دو سو سال زندہ رہیں گے۔ تاہم۔

خاکسار

بخاری

۲۴

۴۔ جولائی

برادرِ محترم!

سلام مسنون!

گرامی نامہ ملا۔ میں بمبئی میں تھا۔ آپ کا خط دہلی میں میرا انتظار کرتا رہا۔ اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔

انتخاب افکار و حوادث کے باب میں مجرم و نادم ہوں۔ کچھ کسالت، کچھ مصروفیت اور پریشانی علاوہ براں میں نے یہ کام توقع سے زیادہ محنت طلب اور دقت طلب پایا۔ آپ کی برہمی اور بے قراری حق بجانب۔ ۲۵ جولائی کی صبح کو لاہور آ رہا ہوں۔ تین چار دن ٹھہروں گا۔ تمام فائل بعد از تکمیل کار ساتھ لیتا آؤں گا۔ یہ وعدہ بھی وفا نہ ہوا۔ تو آپ مجھے حلقۂ و حلقۂ بگوشاں سے خارج تو کیا کریں گے۔ کچھ اور ڈانٹ لیں گے۔ وہ میرے سر آنکھوں پر۔ کام تو یہ مجھے ہی کرنا ہے۔ اور ضرور کروں گا۔ لیکن مذاق برطرف اس مہینے میں یہ کام ضرور ختم ہو جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

دو بکریاں جو آپ نے پال رکھی ہیں۔ ان کے حالات سے بھی آگاہی ہوئی۔ میں انشاء اللہ ہر طرح سے خیال رکھوں گا۔

ا۔ب صاحب اپنے بارے میں بغیر شعوری طور پر مبالغہ کرتے ہیں۔ جب عہدہ ہی عارضی ہے۔ تو جو اس عہدے پر مقرر ہے۔ وہ کیوں کر مستقل ہو سکتا ہے۔ اور عہدہ عارضی یوں ہے کہ ابھی اس کام کے مستقبل کا فیصلہ نہیں ہوا۔ ممکن ہے یہ کام رہے نہ رہے۔

اے۔ بی ہی قسم کے اہلِ علم کی ضرورت ہو۔ یا کسی اور قسم کی آدمی کے ذمے یہ کام سپرد کیا جائے۔ یہ تمام معاملے فیصلے کے محتاج ہیں۔ اور اس فیصلے میں ابھی کچھ عرصہ لگے گا۔ اس دوران میں اے۔ بی صاحب کا کام اکثر کمزور پایا گیا۔ اس میں کسی کی شرارت مضمر نہیں۔ کیونکہ ان کوتاہیوں کا علم براہِ راست مجھ کو ہے۔ تاہم ان کو ہم گھسیٹے چلے جاتے ہیں۔ اب یہ استدلال ان کا عجیب و غریب ہے۔ کہ چونکہ مجھے برخواست نہیں کیا۔ اس لئے میں مستقل ہونے کا حقدار ہوں۔ اگر چپڑی دی ہے تو دو ہونی چاہئیں! وہ خواہ مخواہ ایذا طلبی کرتے ہیں۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا تو سیکھتے ہی نہیں۔ سفارش اور دستگیری کے عادی ہو چکے ہیں۔ دوسروں کو ظالم اور بے انصاف اور اپنے آپ کو مظلوم اور ہمدردی کا مستحق سمجھتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اکثر ان کی بصیرت کام نہیں دیتی۔ کبھی خدا کا شکر نہیں کرتے۔ بلکہ اکثر شاکی ہی رہتے ہیں۔ ایسے شخص کا مطمئن کرنا یا ان میں ہمت پیدا کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ایسا شخص ہر وقت مدد کا طالب ہوتا ہے۔ اور جب تک زندگی ان کے لئے دقت نہ کی جائے۔ وہ خوش نہیں ہوتا۔

باقی عند الملاقات۔ کیا آپ کو دہلی بلایا جائے؟ ہے موقع؟

خاکسار

بخاری

۲۵

برادرِ محترم!

سلام مسنون!

استاذی۔ پہلے غزل کا قصہ طے کر لیں۔

۱۔ ابھی قائم ہے محفل عاشقانِ محفل آرا کی
کہ ان کی خانماں بربادیاں رونق ہیں صحرا کی

آپ محفل آرا کو دشت پیما کر دینا چاہتے ہیں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وہ عاشق جو محفلوں کی زینت تھے۔ اب برباد ہو چکے۔ لیکن محفل آرائی ان کی فطرت میں ہے۔ اس لئے باوجود خانماں برباد کے وہ محفل آرا ہیں۔ اور وہ یوں کہ برباد ہوئے تو صحرا کی رونق بن بیٹھے۔ دشت پیما سے معنی بدل جائیں گے۔ لیکن آپ کو اس تبدیلی کی ضرورت پیش آئی تو یقیناً معنی اُلجھے ہوئے ہوں گے۔ المعنی فی لبطن الشاعر سے بہتر ہے کہ معنی صاف ہو جائیں۔ لہذا دشت پیما منظور گو اس سے شعر کا مطلب وہ نہ رہے گا۔

۲۔ ---------- چشمِ گل کی تمنا کی

آپ فرماتے ہیں یہ شعر وضاحت طلب ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اصلاح طلب نہیں۔ لہذا منظور۔

۳۔ کھلے مونیا ---------- منظور

۴۔ درِ مے خانہ وا ہے چشمِ ساقی میں ہے بے باکی
میں نے کہا تھا۔ درِ مے خانہ وا ہے آنکھ میں ساقی کی بیباکی۔
آپ فرماتے ہیں۔ ایک ہے کی کمی ہے۔ آپ کی اصلاح مجھے منظور
ہے۔ گو میں اس بات کا ابھی قائل نہیں ہوا۔ کہ ایک 'ہے' کی
کمی ہے۔ کئی فقرے یا محاورہ ایسے ذہن میں آتے ہیں۔ جہاں بالکل
یہی شکل ہوتی ہے۔ اور صرف ایک ہی استعمال ہوتا ہے۔ بہر
حال اصلاح منظور۔

مختصر یہ کہ کلی اتفاق اور بہتر بھی یہی ہے ورنہ نہ ہو غزل ہی
سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔ آپ کی اصلاح سے متفق نہ ہوں۔ جب بھی
اتنا ضروری ہے کہ آپ کے اعتراض سے ایسا قوی شبہ پیدا ہو جاتا
ہے کہ اتفاق کے بغیر چارہ نہیں رہتا (اس کو حسنِ اتفاق کہتے ہیں)۔
بہر حال دماغ سوزی کا بہت شکریہ!

۳۰ر جون سے (تاریخ یاد رہے) میں نمبر ۹ اشوکا روڈ نئی دہلی
جا رہا ہوں۔ انگریزی میں اس کو 9, ASOKA ROAD لکھتے ہیں۔
کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ اور امتیاز چند دن کے لئے آجائیں۔
برسات جوبن پر ہے۔

او بھائی نماز بخشوانے گئے تھے۔۔۔۔۔۔ الخ من موہن کا
معاملہ طے ہوتے ہوتے میرا معاملہ ایسا غائب ہوا کہ خیر شد باز نیامد۔
یہ تو کہئے کہ کیا مہر صاحب اور میاں صاحب کی گفتگو میرے مسئلے کے

متعلق بھی ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو کیا نتیجہ ہے۔ اس موضوع پر تو برسوں سے آپ نے کچھ لکھا نہ مہر نے۔

خاکسار

بخاری

۲۶

۲۰ پرتھوی راج روڈ نئی دہلی۔

۲۰ر اکتوبر

برادرِ محترم!

سلام مسنون! گورنمنٹ کو اس سال کے بجٹ میں کچھ خسارہ نظر آتا ہے۔ اس لئے خالی آسامیوں کی بھرتی یک قلم رُک گئی ہے۔ اور معلوم نہیں کب تک رُکی رہے گی۔ اس لئے ہر کام میں تاخیر لابدّ ہے۔ یہ جواب ہے آپ کے اس خط کا جو عرصہ ہوا آپ نے لکھا تھا اور جس کے جواب سے آپ مایوس ہو گئے ہوں گے۔

پچھلے دنوں ابوالکلام سے ہم کلامی کا فخر حاصل ہوا۔ بڑی صحبتیں گرم ہوئیں۔ آپ کا ذکر اور ذکر خیر بارہا آیا۔ اور مولانا ممتاز علی مرحوم کا ذکر بھی آیا۔ اور امتیاز کا ذکر بھی آیا۔ اور حمید علی صاحب کا ذکر بھی آیا (جو سٹائیل بہ تتبع خواجہ حسن نظامی ہے) الشیائی علم وادب

و تاریخ پر زوروں کی بحثیں ہوئیں ۔ شعر خوانیاں ہوئیں ۔ بذلہ سنجی ہوئی ۔ علامہ اقبال کی یاد تازہ ہوگئی ۔ کیونکہ بجز اقبال اور ابوالکلام کے اور کوئی شخص ایسا نہ ملا ۔ جو عالم اسلام اور اس کی نیرنگیوں اور رنگ آفرینیوں کا آئینہ دار ہو ۔ یہ نسل ہی اب مٹتی جاتی ہے ۔

اس خط کو دیکھتے ہی رائے بہادر من موہن صاحب سے ملیئے ۔ اور ان سے پوچھیئے کہ کوئی رکاوٹ تو نہیں اگر ہو تو اس کا مداوا کیجئے ۔ تفصیلات انہیں سے معلوم ہوں گی ۔ ضرورت ہو تو حمید علی صاحب کو بھی شامل کر لیجئے ۔

اب کے کرسمس میں پھر ایک چکر رہے ۔ رشبیر ہاشمی غالباً والدہ پرستی کے سلسلے میں دہلی آئیں گے ۔ ممکن ہے انبا ز بھی بحیثیت ومینز کانفرنس کی ایک ڈیلیگیٹ کے شوہر کے آجائیں ۔ آپ ومینز کانفرنس کی ایک ڈیلیگیٹ کے شوہر کے دوست کی حیثیت سے آجائیے ۔

زبیدہ سلام کہتی ہے ۔

خاکسار

بخاری

بھئی انقلاب بھیج کر فی الواقع بہت احسان کرتے ہو ۔ جس دن انقلاب نہ پہنچے ۔ دل خالی معلوم ہوتا ہے ۔ کل یہ عنوان نظر آیا ۔ ۔

لاہور میں گداگروں کی اکثریت۔
یہ اکثریت کی بھی ایک ہی کہی۔ مگر اس کے لئے سند موجود ہے۔
"اقلیت مال و اکثریت عیال" مشہور فقرہ ہے۔
ابوالکلام نے شاد عظیم آبادی کا ایک شعر سنایا تھا۔ آپ بھی سُنیں۔ لیجئے خوب ہے۔

لبوں پہ دم ہے تڑپتے ہیں دردمند تیرے
وہ اور کوئی نہیں عاشقانِ چند تیرے

بخاری

۲۷

۲۳ر دسمبر

برادرِ محترم!

سلام مسنون! یاد آوری کا شکریہ بہ لحاظ خط کے مفہوم سے آگاہ ہوا۔ اور اس کو ذہن میں محفوظ کیا۔ کام کی کثرت اور تنوع کی وجہ سے اکثر فروعی فرائض ماتحتوں کے سپرد کر رکھے ہیں۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے۔ ان میں حتی الوسع دخل نہیں دیتا۔ تا آنکہ کوئی اہم نکتہ اس میں پوشیدہ نہ ہو۔ آپ نے جس امر کا ذکر کیا۔ وہ بھی اپنی فروعات میں شامل ہے۔ تاہم اس سے غافل نہ رہوں گا۔ اگر فیصلہ

حسب الخواہ نہ ہوا ۔ تو مجھے دوبارہ تاکید کرتے ہیں تامل نہ کیجیے گا۔ کہ میرا منصب ہی موکد ہوتا ہے۔

ہمشیرہ کے رشتے کے متعلق کچھ آپ نے سلسلہ جنبانی کی تھی پھر معلوم نہ ہوا کہ بات کہاں تک پہنچی ۔ یا کہاں رُک گئی۔

ایک خط ایڈیٹر انقلاب کے نام ملفوف ہے ۔ انہیں پہنچا دیجیے گا۔ تاکہ ان کو افکار و حوادث کے لئے مصالحہ مل جائے۔ یا کم از کم ان کی اپنی ضیافت کا باعث ہو۔

میں کل صبح ہفتے بھر کے لئے لکھنؤ جا رہا ہوں۔ نہ معلوم اس میں کتنے دن ریل میں گذریں گے۔ لیکن سُنتا ہوں کہ ریلیں اب چلنے لگی ہیں اور چلتی ہی کا نام گاڑی ہے۔ احباب کو میرا سلام پہنچے۔ اور بالخصوص مہر صاحب، امتیاز صاحب اور حمید علی صاحب کو۔ زبیدہ آپ کو اور بھابی کو سلام کہتی ہے۔

یہاں میرے پہلے جم کے اہلِ قلم اور احباب تو بہت جمع ہیں۔ لیکن دہلی شہر نہیں صحرا ہے۔ فاصلے بُہت ہیں۔ کچھ جسمانی ۔ کچھ رُوحانی پٹرول بھی کم ہے ۔ دل بھی خشک۔ دہلی کی آب و ہوا ہی ایسی ہے۔ ہر شخص دفتری کشمکش اور ہوس رانی میں مبتلا ۔ " اُردو مجلس " کے احیا کی کوشش کر رہا ہوں۔ دیکھیے۔

•

بخاری

۲۸

ہوٹل ماریاکرسٹینا میکسیکو

۱۲ ۔ جنوری

برادرم !

سلام مسنون ! نوازش نامہ ملا۔ آپ کے سوا کسی اور دوست کا خط اب تک نہیں آیا۔ صوفی، ہاشمی، فیض، تاثیر سب نے گویا مجھے دریا برد کر دیا۔ زبیدہ اور ہارون کے خط مسلسل آتے رہتے ہیں۔ ان سے بالواسطہ کچھ احباب کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اور گھر کے حالات سے تو باقاعدہ مطلع رہتا ہوں۔ ورنہ بالکل ہی رابن سن کروسو بن جاتا۔ سیاسی حالات سے باخبر نہیں۔ ریاض احمد کو کراچی سے خط آتے ہیں۔ ان سے دو چار اُڑتی اُڑتی باتیں معلوم ہوئیں۔ ادبی دُنیا کی کوئی خبر نہیں۔ نہ معلوم کون سے رسالے بند ہو گئے۔ کون سے کھل گئے۔ کن پر کھل بندن کی کیفیت طاری ہے۔ کس کس شاعر نے غالب کے گور پر لات ماری۔ آپ نے انقلاب کا ایک ورق بھیج کر میرے کم از کم چوبیس گھنٹے رنگین کر دیئے۔ سلور جوبلی پر آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ لاہور میں ہوتا تو دوستوں کے اجتماع کا ایک اور بہانہ ہاتھ آجاتا اور سب شاعر دوستوں سے بزل لکھواتا۔ اور شب دیگ پکتی۔ خیر، گرچہ دوریم بیاد تو قدح می نوشیم۔ انقلاب

کے مدوجزر کا حال پڑھ کر میں کچھ مغموم ہو گیا۔ عمر بھر کی بذلہ سنجی، بذلہ گوئی اور چہکتی ہوئی صحافت کے بعد آپ کو یہ سخت مرحلے پیش نہ آنے چاہئیں تھے۔ لیکن آپ نے اخبار کا نام ہی معلوم ہوتا ہے۔ لسان الغیب کے کہنے پر رکھا ہے۔ بہر حال آپ طبعاً قلندر ہیں۔ قلندری کو کام میں لائیے۔

کانفرنس کہنے کو تو انجنیئر بازی تھی۔ لیکن آنے کے ساتھ ہی معلوم ہو گیا۔ کہ ریڈیو بھی سیاسی کھینچ تان کا اکھاڑہ ہے۔ چھوٹی لہریں بجز دو دو مار اسلحے کے اور کچھ نہیں۔ دو مہینے تک کانفرنس کا تکیہ کلام یہ تھا کہ اصول وضع ہونے چاہئیں۔ چھوٹی لہروں کی تعداد کل (۱۸۰) ہے۔ دن رات کے گھنٹے چوبیس ہیں۔ دونوں کو ضرب دیجئے۔ تو تقریباً ساڑھے چار ہزار "لہر گھنٹے" بنتے ہیں۔ سب ملکوں سے ان کی "ضروریات" دریافت کی گئیں۔ تو ضروریات کا میزان پندرہ ہزار تک جا پہنچا۔ ہر ایک نے حرص سے کام لیا اور بعض سینکڑوں بلکہ ہزاروں سے بھی اوپر "لہر گھنٹے" پہلے سے دبائے بیٹھے ہیں۔ ایک انار صد بیمار۔ تقسیم کیوں کر ہو۔ رات دن لوگ اصول اصول پکارتے ہیں۔ اور اس بارے میں ہر ملک "غلام محی الدین" بنتا پھرا۔ اور ڈھائی مہینے کی جھک جھک کے بعد معلوم ہوا۔ کہ اصولوں کی کمی نہیں۔ بلکہ بھرمار ہے۔ ہر ملک اپنے مطلب کے وصول وضع کر لیتا ہے فیصلہ ہوا کہ ہمہ گیر اصول جن پر سب کا یا اکثریت کا اتفاق ہو، وضع

نہیں ہو سکتے ۔ روس اور اس کے بعد امریکہ (ریاست ہائے متحدہ) دو بنے بنائے ہزار ہزار ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار صفحے کے PLAN ترشے ترشائے لے آئے ۔ روس نے اپنے PLAN میں اپنے حواریوں کو مٹھیاں بھر بھر کر لہر گھنٹے دیئے ۔ امریکہ نے لاطینی امریکنوں (یعنی جنوبی امریکہ کی ریاستوں) کو بڑی بڑی رعائتیں دیں ۔ غرضیکہ ہر ایک نے اپنا سیاسی اُلو سیدھا کرنے کی کوشش کی ۔ جس مرحلے پر کانفرنس اس وقت ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں سودے ہوں گے ۔

غریب پاکستان کس برتے پر کسی سے سودا کرے ۔ سوچا کہ ہمارے پاس بجز شخصیت کے اس میدان میں کچھ نہیں ۔ خدا کا نام لے کر شروع ہی سے اسے چمکانے کی کوشش کی ۔ لیکن اس طرح کہ اسے بالکل ہتھیلی پر ہی نہ لئے پھریں ۔ جب یہاں آئے تو کوئی ہمیں جانتا نہ تھا ۔ بلکہ اکثر لوگ تو پاکستان سے بھی بے خبر تھے ۔ خدا کی مہربانی سے پہلے ہی ہفتے کے اندر دو تین زوردار تقریروں کا موقع مل گیا ۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے ہسپانوی بھی سیکھنی شروع کر دی ۔ کچھ بحث بازی میں کرتب دکھائے ۔ موقع پا محض تقریر کے زور سے ایک دن انگریزوں کو وہ شکست دی ۔ کہ انہیں ۷۰ میں ۵ سے زیادہ ووٹ حاصل نہ ہوئے ۔ چنانچہ لوگوں کو خیال ہوا ۔ کہ بحث و تمحیص میں پاکستان دوستی مفید ہے ۔ بہرحال اِس کی دشمنی مضر ہو سکتی ہے ۔ لگا ہے گاہے لطیفہ بازی سے بھی کام لیا ۔ ایک

مزاحیہ نظم انگریزی میں کانفرنس کے بارے میں لکھی - جو پارٹیوں کے
رستے سے کانفرنس کے روزانہ سرکاری اخبار میں چھپ گئی - اور
لوگوں نے پاکستانیوں سے موقع بے موقع مسکرا مسکرا کر مصافحے کرنا
شروع کیے - ہندوستان والوں نے اپنا وفد محض انجینئروں سے
مرتب کیا ہے - وہ لوگ انجینئر تو اچھے ہیں - باقی صورت نہ شکل ـــ الخ
انگریزی مدراسی لہجے میں بولتے ہیں - جس پر ترجمان تھوکتے ہیں اور
خون بھی تھوکتے ہیں - اب میں ہسپانوی بلا تکلف بول لیتا ہوں -
اور اخبار وغیرہ پڑھتے ہیں تو کوئی دقت نہیں ہوتی - ارادہ ہے کہ
رخصتی تقریر ہسپانوی میں کروں گا - میری اس لسان دوستی پر جنوبی
امریکہ اور میکسیکو کے لوگ بہت خوش ہیں - غرضیکہ سب ہتھکنڈے
استعمال کر رہا ہوں - باہر آکر انسان پہلے سے بھی زیادہ پاکستانی
ہو جاتا ہے - یہی کیفیت ہماری ہے - اب خدا کرے کہ آخری
مرحلوں میں ہمیں کامیابی نصیب ہو - اور دو تین مہینے کی محنت
کہیں ٹھکانے لگے - کانفرنس کا کام توقع سے بہت زیادہ نکلا -
اجلاس صبح دس بجے سے شام کے سات بجے تک اور بعض اوقات
رات کے دس بجے تک رہتے ہیں - ایک دن تو صبح کے دو بج
گئے - سوائے سنیچر کے آدھے دن اور اتوار کے کوئی تعطیل نہیں ہوتی -
اور یہ اوقات اور اکثر کی ساعتیں سازشوں اور مشوروں میں صرف
ہو جاتی ہیں - کانفرنس کی دستاویزات کا بھی باقاعدہ مطالع کرنا پڑتا

ہے۔ اور ان کی تعداد اس وقت تک چھ سات ہزار صفحوں تک پہنچ چکی ہے۔ الجبرا بازی کے مسئلے بھی سمجھنے پڑتے ہیں۔ ریڈیو کی تعلیم جو دس سال میں حاصل کی ہے۔ وہ ایسے وقت میں کام آتی ہے۔ تاہم بعض باتیں بچوں کی طرح بیٹھ کر سمجھنی پڑتی ہیں۔ آپ خوش ہوں گے۔ کہ میں کئی مرتبہ اتفاق رائے صدر منتخب ہو چکا ہوں۔ اور بلند طبقوں کے مشوروں میں مجھے بلایا جاتا ہے۔

میکسیکو مجھے بے حد پسند آیا۔ پہاڑی ملک ہے آب و ہوا بھی خوشگوار ہے۔ لوگ رنگین طبع، با اخلاق، رنگین پوشش ہیں۔ پابندی اوقات کو رذیلوں کا شیوہ نہیں سمجھتے۔ موسیقی، ناچ اور سواری کے بے حد شوقین ہیں۔ (کانفرنس کا افتتاح ارکسٹرا سے ہوا) گفتگو میں آپ، جناب، حضور وغیرہ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ رذیل سے رذیل آدمی آپ کا شکریہ شاعرانہ ادا نہ کرے۔ اور آپ شکریہ ادا کریں تو انکسار کے دو تین فقرے جواب میں نہ کہے۔ یہاں اکثریت اصلی باشندوں کی ہے۔ ان سے کم دوغلے لوگ ہیں۔ دراصل خالص ہسپانوی نژاد لوگ اقلیت میں ہیں۔ پچاس سال سے یہاں ایک نئی نیشنلزم بروئے کار آ رہی ہے۔ جو اپنے آپ کو صرف میکسیکو سے وابستہ کرتی ہے۔ اور ہسپانیہ کو بہت سرعت سے بھلا رہی ہے۔ چنانچہ ہسپانوی اقتدار کی دو تین صدیاں جو میکسیکو پر گزری تھیں۔ انہیں تاریخ سے محو کیا جا رہا ہے اور موجودہ دور کا

سلسلہ قبل از ہسپانیہ دور سے ملایا جا رہا ہے۔ جب یہاں کے اصلی باشندے برسرِ اقتدار تھے اور ان کی ایک عظیم الشان سلطنت اور تہذیب تھی۔ اور ہسپانوی لیڈروں نے آ کر ان کو تہس نہس کر دیا تھا۔ میکسیکو شہر کی آبادی تقریباً بیس لاکھ ہے۔ اور ہمارے نقطۂ نظر سے بالکل جدید شہر ہے۔ گو اہل یورپ کو اس میں کئی غریب باتیں نظر آتی ہیں۔ پچھلا انقلاب یہاں تیس سال تک رہا۔ جس میں میکسیکو کے ذکور آدھے سے زیادہ مارے گئے۔ اب یہاں REPLLBLIC ہے۔ (بطرز امریکہ) تعلیم کا بہت شوق ہے اور امریکہ نے ناخواندگی کو ترقی دینے میں جتنا کام کیا ہے۔ اس کی مثالیں دُنیا میں کہیں نہیں ملتیں۔ وزیر تعلیم پاکستان نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ اس پر ایک رپورٹ لکھنا۔ میں نے بہت کچھ مصالحہ اس پر جمع کیا اور اسے اس قدر خیال انگیز پایا کہ دل میں ایک کتاب (خواہ انگریزی خواہ اُردو خواہ دونوں زبانوں میں) پاکستان کی خاطر لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن افسوس کہ کانفرنس کی وجہ سے فرصت بہت کم ملی۔ وزیر تعلیم اور اس کے افسروں سے تبادلہ خیالات کے لئے کئی مرتبہ وقت مقرر کیا۔ مگر وعدہ ایفا نہ کر سکا۔

اور کیا لکھوں میں کئی دلچسپ خط لکھتا۔ اگر دوستوں کے خط اس کے محرک ہوتے۔ بس تحریک ہی کا انتظار طبیعت کو رہا۔ وہ نصیب نہ ہوئی تو سہل انگاری غالب آ ئی۔ فرصت بھی بہت کم

ملتی ہے۔ تاہم آپ لوگ اکساتے تو لکھنے کو یہاں انباروں کے انبار لکھ ڈالتا۔

دوستوں کو میرا اسلام دیجیے گا۔

خاکسار

بخاری

۲۹

ہوٹل مرینا کرسٹینا میکسیکو

یکم اپریل

برادرم!

سلام مسنون! آپ کا تیسرا خط ملا۔ یعنی جس خط کے متعلق آپ کو شبہ تھا۔ وہ بھی مل گیا تھا۔ جواب لکھنے کا مجرم ہوں۔ فرصت ہی نہ ملی نیز فرصت کے جو چند لمحے ملتے ہیں۔ اس میں اتنے خط لکھنے پڑتے ہیں کہ عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ ذوالفقار، زبیدہ، سرکارِ پاکستان، فیض، تاثیر سب کو خط لکھے۔ کسی کو صرف ایک اور کسی کو مثلاً سرکارِ پاکستان کو ہر ہفتے اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔ یہاں رُت بدل گئی ہے اور اپریل میں بھی وہ سال نہیں جو ہمارے ہاں مارچ اور اوائل میں ہوتا ہے۔ آنکھیں دھوپ سے گریز کرنے لگی ہیں۔ اور کوٹ پہننے کو دل نہیں

چاہتا۔ کانفرنس آخری مرحلے پر ہے۔ لوگ تھک کر چوُر ہو گئے ہیں۔
اس لئے مباحثے میں یا تو چڑچڑا پن دکھاتے ہیں۔ یا ہتھیار ڈال
دیتے ہیں۔ لیکن جو قومیں ہٹیلی ہیں۔ وہ اب بھی ختم نہیں ہوتے دنیں
اور آنکھ تک نہیں جھپکتی۔ ہمارا کام خدا کے فضل سے بہت ہی
ٹھیک رہا ہے۔ دو تین دن ہوئے یہ طے پایا۔ کہ یہاں کی کانفرنس
تو عنقریب ختم کر دی جائے گی۔ کیونکہ اصول وغیرہ طے ہو چکے ہیں۔
باقی اصل پلان سازی کا کام جو تفصیلی کام ہے اور جس میں کم ازکم
چھ مہینے اور لگیں گے۔ ایک مختصر سی کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔ جو
۱۵ جون کو پیرس میں جمع ہو۔ جب پانچ چھ مہینے میں وہ اپنا کام ختم
کرے۔ تو کانفرنس پھر جمع ہو۔ لیکن چند دن کے لئے۔ اور پلان کمیٹی
کے کام پر نظر ڈال کر معاہدے پر دستخط کر دیئے جائیں۔ اس پلان کمیٹی
میں شامل ہونے کے لئے ہر ملک نے ہاتھ پاؤں مارے۔ جتھے بندیاں
ہوئیں۔ سودے ہوئے۔ رُعب گانٹھے گئے۔ تقریریں ہوئیں۔ آنکھیں
دکھائی گئیں۔ چوما چاٹی ہوئی۔ غرضیکہ سیاست کے سب حربے استعمال
ہوئے۔ خدا نے یہ معجزہ دکھایا کہ جب ستر ملکوں میں سے صرف پندرہ
ملکوں کی ایک کمیٹی بنی تو اس میں پاکستان کو شامل پایا۔ یہ فیصلہ ایک
دن صبح کے ڈھائی بجے کئی گھنٹوں کی گرما گرم بحث اور تقریر بازی
کے بعد ہوا۔ جب ڈھائی بجے میں گھر واپس آیا تو عجیب اطمینان
اور مسرت کی کیفیت تھی۔ بازار خاموش اور ویران تھے۔ اور اپنے

قدموں کی آہٹ کے سوا کوئی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ جب ۲۲۔اکتوبر کو ہم یہاں پہنچے۔ تو کوئی ہمیں جانتا نہ تھا۔ پاکستان کے نام سے بھی لوگ ناواقف تھے۔ ستر قوموں میں سے سب سے نئی قوم۔ ستر قوموں میں سے سب سے نا تجربہ کار ملک۔ نہ ٹرانسمیٹر پاس ہے، نہ کہن سال انجنیئر۔ ریڈیو کی صنعت میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ لیکن پانچ مہینے کے عرصے میں پاکستان کو خدا نے یہ عزت دی کہ ہر اہم کمیٹی اور اہم مشورے میں اس کی حیثیت صدر یا نائب صدر کی ضرور تھی۔ اور اب جب کہ کانفرنس نے دُنیا بھر کی ایک مختصر کمیٹی بنائی ہے۔ تو اس میں بھی پاکستان اس خوبی سے دھرا ہے کہ کسی کو اس کے حقِ شمولیت پر شُبہ کرنے کا خیال تک نہیں آتا۔ وزارتِ تعلیم پاکستان کا ارشاد ہے۔ کہ کانفرنس کے بعد کچھ عرصہ ٹھہر جاؤں۔ اور میکسیکو کے نظامِ تعلیم کا مطالعہ کرکے اس پر ایک رپورٹ لکھوں۔ یہاں کے عوام بھی ہماری طرح نادار اور ان پڑھ تھے۔ میکسیکو کی انقلابی جماعت نے برسرِ اقتدار آتے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں حیرت انگیز کام کیا۔ تمام دنیا انگشت بدنداں ہوئی۔ اس میں سالوں کی تاخیر نہیں۔ ہفتوں کی، وہ بھی ابھی پوری طرح طے نہیں ہوا۔ دیکھیے پہلے لوگ پاکستان کو ہندوستان کا شاگرد اور برخوردار سمجھتے تھے۔ اور جب بھی انتخاب کی نوبت آتی لوگ سمجھتے کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں میں سے صرف ایک کا ہونا کافی ہے۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے محسوس کیا

کہ پاکستان ہندوستان کا چھوٹا بھائی نہیں۔ تمام مسلم ممالک کا بڑا بھائی ہے۔ پھر اس کے بعد یہاں تک نوبت آئی کہ لوگ ہندوستان کے ساتھ پاکستان کا ہونا ازحد ضروری سمجھنے لگے۔ اب آئندہ خدا کے فضل سے کم ازکم ریڈیو کے بین الاقوامی میدان میں پاکستان کو کرسی ہمیشہ صفِ اوّل میں ملا کرے گی۔ ہم پاکستانیوں نے اس پر ایک جشنِ صغیر کیا۔ اور سب آبدیدہ ہو گئے۔

خاکسار

بخاری

۳۰

یکم جولائی ۱۹۵۱ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون! آپ کے خط سے دُہری ندامت ہوئی۔ جب آپ کا خیال آتا ہے۔ تو شرم کے مارے لمحہ بھر کو ہاتھ پاؤں سرد ہو جاتے تھے۔ لیکن یقین مانیئے۔ کہ اپنی خاموشی کی سزا بھی سب سے زیادہ مجھ کو ہی ملتی رہی۔ احباب بعید تر ہوتے گئے۔ اور میری تنہائی بڑھتی گئی۔ مہینوں کی غفلت کے بعد کسی کو خط لکھا بھی۔ تو جواب نہ آیا۔ کیونکہ وہاں توجہ کا چشمہ اس عرصے میں خشک ہو چکا

تھا۔ مجھے ندامت اور توبہ کا صلہ بھی نہ ملا۔ لیکن مالک کی وفا شعاری ہمیشہ استحقاق سے تجاوز کر جاتی ہے۔ خدا آپ کو زندہ سلامت اور خوش و خرم رکھے۔ آئین دوستی آپ ہی کے دم سے زندہ ہے۔ ورنہ دائیں بائیں الفتیں مر رہی ہیں۔ جو مر نہیں چکیں۔ وہ زندہ در گور ہیں۔

جولائی ۵۸ء میں یہاں پہنچا۔ تو ذیابیطس کا شکر اپنے ساتھ لایا۔ کئی ہفتہ روزانہ پیشاب کا مطالعہ کرتا رہا۔ اور زندگی کے باقی اوراق سب تہ کر کے رکھ دیئے۔ کہ شفائے شاشی ہو لے۔ تو زندگی کا دھارا پھر ٹھیک سے بہنے لگے گا۔ لیکن جب تک اس میں شکر شامل ہے۔ باقی شیرینیاں حرام ہیں۔ ٹیکے کی پچکاریاں اور قطرہ پیمائیاں دن رات اسی نوع کے شیشہ آلات کی نظر ہو گئے۔ اس عرصے میں مکان کی تلاش رہی۔ یکے بعد دیگرے دو اپارٹمنٹ بدلے۔ دونوں عارضی تھے۔ لیکن یقین ہو گیا۔ کہ اپارٹمنٹ میں رہنا ہم تنہا پسندوں کے لئے ناممکن ہو گا۔ ایک پہاڑ سی عمارت اس میں درجنوں ڈربے کوئی چھوٹے کوئی بڑے، پھر ہمسائیہ مقفل اور پر اسرار، آٹو میٹک لفٹ میں پندرھویں منزل پر رہتا تھا۔ کئی مرتبہ خیال آیا کہ اگر "۱۵" کا بٹن دباتے کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔ تو یہ لفٹ کا منقش کمبخت بے حس دبلا تامل پندرھویں منزل تک چڑھتا چلا جائے گا۔ اور وہاں پہنچ کر اس کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور اسے اتنی

بھی تمیز نہ ہو گی۔ کہ جس نے یہ بٹن دبایا تھا۔ وہ اب محض ایک لاش ہے۔ اور دروازہ کھلنے پر بھی باہر نہیں نکل سکتا۔ تو عجیب وحشت ہوتی تھی۔ انسان کو ہر وقت یہ توقع رہتی ہے۔ کہ اس کے مرجانے پر کچھ غلغلہ ہو گا۔ کوئی تھامے گا۔ کوئی اُٹھائے گا۔ کوئی روئے گا، کوئی چلائے گا۔ جب یہ توقعات یک لخت مفقود ہو جائیں۔ تو ہم ایشیائی لوگوں کو چاروں طرف تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہاں آ کے معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کی زندگی جماعت کی کتنی عادی ہے۔ اس عرصے میں ملازم بھی کوئی نہ تھا۔ کھانا ہمیشہ باہر کھاتا تھا۔ بجز صبح کے ناشتے کے۔ چنانچہ انڈے پکانے میں مہارت حاصل کر لی لیکن وہ جو بازار پر دوسرے تیسرے دن سودا سلف کے بنڈل اُٹھا کر گھر لاتے پڑتے تھے۔ اس میں کبھی مہارت حاصل نہ ہوئی۔ ہمیشہ اپنے آپ پر ترس آتا تھا۔ کہ اللہ اللہ جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے ـــــ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ زندگی اختلاج اور افسردگی کا مجموعہ تھی۔

ستمبر ۵۰ء میں مکان کرائے پر لے لیا۔ ایک حبشن کو ملازم رکھ لیا۔ لیکن ساتھ ہی جنرل اسمبلی کا زمانہ آ گیا۔ ڈیلیگیٹوں کا قافلہ پاکستان سے آن پہنچا۔ رات تو شہر میں گذرتی تھی۔ لیکن صبح نو بجے سے شام کے سات آٹھ بجے لیک سکسیس میں رہتے تھے۔ جو یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ دن کم و بیش فجر کے وقت شروع

ہوتا تھا۔ کیونکہ ظفر اللہ خاں صاحب جو یہاں سے اور بھی تیس میل دور رہتے تھے۔ باوجود اس فاصلے کے صبح نو بجے سب سے پہلے آن پہنچے تھے۔ ہم شب زندہ دار ٹھہرے۔ کچھ نہ پوچھیے۔ کہ دنیا و عاقبت دونوں میں سرخروئی حاصل کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ حال تھا کہ رات ہی زمزم پیے اور صبحدم دھوئے دھلے جامۂ احرام کے۔ اسمبلی ختم ہوئی۔ تو کشمیر کا شعلہ پھر بھڑکنے لگا۔ اسمبلی کے ڈیلیگیٹ اسمبلی ختم کرنے کے بعد موٹروں اور فریجیریٹروں کا سودا چکانے کے بعد پاکستان لوٹے تو محمد علی اور ان کا قافلہ آن پہنچا۔ وہ گئے۔ تو ڈاکٹر گراہم کا قضیہ لٹکتا ہوا چھوڑ گئے۔ خدا خدا کر کے پچھلے ہفتہ گراہم یہاں سے روانہ ہوئے۔ تو پہلی مرتبہ اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن یہ بھی کب تک رات دن چکر میں ہیں سات آسمان۔

رفتہ رفتہ نئی زندگی کا عادی ہو گیا ہوں رجب میں یہاں پہنچا تو دفتر کو (اپنے معیار کے مطابق) مُردہ پایا۔ اس سے متقدمین کی گستاخی یا مذمت مقصود نہیں۔ ہر طبیعت کا تقاضا الگ ہوتا ہے۔ میری طبیعت ایسی ہے۔ کہ بے حسی سے کام کر ہی نہیں سکتا۔ ہلکا ہلکا سا بخار چڑھا ہے۔ تو سمجھتا ہوں۔ کہ حرارت غریزی سے محروم ہوں۔ اور جمود طاری ہے۔ یہاں حالت یہ تھی کہ یو۔ این کا فیصلہ کراچی پہنچا دیا۔ کراچی کے کہنے پر ووٹ دے دیا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ یہ مشن محض ایک ڈاکخانہ بن کر رہ گیا ہے۔ "کار دار خاص" بجز

ہرکارے کے کچھ نہ تھا۔ کام پھیلایا تو خود اس کا بوجھ میرے کندھوں پر کھڑا تھا اپنی دقت پسندی کی شکایت کس سے کردں۔ یہاں کا کام وقت بہت زیادہ مانگتا ہے۔ ساٹھ ملکوں کے ساٹھ وفد۔ ہر ایک کا ووٹ کسی نہ کسی موقع پر اہم بن جاتا ہے۔ سفارتی گفت وشنید عجیب سست رفتار ہوتی ہے۔ ساٹھ وفدوں میں سے ہر ایک کو سلام کیجئے۔ مناسب وقفے کے بعد خیریت دریافت کیجئے۔ بیوی بچوں کا حال پوچھیئے۔ کھانے کی دعوت دیجئے۔ موسم کا ذکر بالتفصیل کیجئے۔ حرف مطلب زبان پر یوں لائیے۔ کہ بار نہ ہو۔ پھر مفنول جواب کا انتظار کیجئے۔ اس دوران میں مسکراتے رہیئے۔ اور نگاہ رکھیئے کہ پہیئے چل رہے ہیں کہ کہیں رُک گئے۔ رُک گئے ہوں۔ تو روغن تار، آتشِ سیال، یا قطرہ تیزاب جیسا حکم بتائیے۔ کام میں لائیے۔ کاک ٹیل پارٹیوں میں حاضری دیجئے۔ یہ کاک ٹیل پارٹیاں بھی خدا جانے کس موذی نے ایجاد کی تھیں۔ جب حکومت شخصی ہوا کرتی تھیں۔ تو کبھی باتیں دسترخوان پر پوری ہو جاتی تھیں۔ محمد شاہ ایسی دعوت دے کہ نادر شاہ کا دل پسیج جائے۔ تو یہ ہوئی سیاست۔ لیکن یہاں تو کوئی بغیر اپنی حکومت کے اشارے کے انگلی تک نہیں ہلاتا۔ پھر بھی کم بخت ضیافتوں پر وقت اور روپیہ ضائع کرتے رہتے ہیں۔ شراب کا بھی کبھی دلدادہ نہ تھا۔ لیکن عصمت بچانے کے لئے ایک گلاس ضرور ہاتھ میں رکھنا پڑتا ہے۔ ورنہ ہر دو منٹ کے بعد

کوئی نہ کوئی آپ سے تواضع برتے گا۔ اور آپ جواب دیتے دیتے دامن بچاتے بچاتے تھک جائیں گے۔ بھیڑ بھیڑ ہمیشہ اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ (اور یہ تصادم محض کھووں تک ہی محدود نہیں ہوتا) وقت ایسا ہوتا ہے۔ کہ آپ شام کا کھانا نہ اس سے پہلے کھا سکتے ہیں۔ نہ بعد میں۔ لیکن جو لوگ سفیر یا وزیر بن جائیں۔ ان کی قسمت میں یہی لکھا ہے۔ کہ ہفتے میں دو تین مرتبہ یہ سزا ضرور بھگتیں۔ میں کاک ٹیل کا یوں منتظر رہتا ہوں۔ جیسے کوئی کسی اپریشن کا منتظر ہو۔ کہ تکلیف بھی ہوگی۔ لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔ جس دن کاک ٹیل پارٹی ہو۔ میری شام غارت ہو جاتی ہے۔ دو گھنٹے مسکرا مسکرا کر کلّے اکڑ جاتے ہیں۔

خوش قسمتی سے مجھے مکان ایسا مل گیا ہے۔ کہ طبیعت اس میں خوش رہتی ہے۔ مکان سرکار دیتی ہے۔ لیکن ملازموں کا خرچ خود برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ رتبہ بڑا ہے۔ تنخواہ تھوڑی۔ اس لئے تنخواہ کے مطابق مکان لیجئے۔ تو پاکستان کی توہین ہوتی ہے۔ اور رتبہ کے مطابق ٹھاٹھ کیجئے، تو جیب ساتھ نہیں دیتی۔ ہفتوں اس کشمکش میں گزرے۔ بالآخر ایسا مکان مل گیا جس میں ڈیڑھ ملازم سے کام چل سکتا ہے۔ اور پاکستان کے نام کو بھی بٹہ نہیں لگتا۔ (ملازم کی تنخواہ چھ سو روپے ماہوار ہے۔ اس کی خوراک اور رہائشی کمرہ الگ) چھ کمرے ہیں۔ لیکن تین منزلوں پر، بالکل لب دریا ہے اور

رات دن آنے جانے جہازوں کے نظارے سے تنہائی کا احساس کم رہتا ہے۔ ایک ہزار کے قریب کتابیں اور چند سُرخ پتھر کے مجسمے چغتائی کی تین تصویریں اور ایک اُونٹ کی اوجھڑی کا لیمپ اور نہیں پاکستانی پھلکاریاں، ایک تانبے کا آفتابہ۔ یہ سب ساتھ لایا تھا۔ ان کی وجہ سے دل میں لہو کی ایک بوند نظر آتی رہتی ہے۔

میرے شغل تین قسم کے ہیں۔ ایک تو سیاسی یعنی شطرنج اور ملاقاتیں اور جاسوسی اور دعوتیں اور بحثیں اور گفت و شنیدیں اور کراچی کے ساتھ تلفرات بازی اور تعمیل احکام۔ دوسرے پبلسٹی یعنی مسلسل تقریریں بیشتر کشمیر پر۔ بعض پاکستان کے عام حالات پر۔ چند ادب اور دیگر کلچرل معاملات پر۔ میری مانگ بہ نسبت اور حلقوں کے کالجوں، اسکولوں یونیورسٹیوں اور گرجوں میں زیادہ ہے۔ اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اب تک کوئی سو دوسو لیکچر دے چکا ہوں۔ اور اس سلسلے میں اکثر سفر میں رہتا ہوں۔ دُنیا میں ہمارا دشمن بجز ہندوستان کے اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن ہندوستان کا نام بڑا ہے۔ گاندھی اور سانپ اور ساڑھی اور ہمالہ متی اور شیر اور ہاتھی سب اس کے حصے میں آتے ہیں۔ پاکستان سے لوگ کم واقف ہیں۔ کما حقہ پبلسٹی کے لئے کھربوں روپیہ چاہیئے۔ اس لئے جو موقعے مل جاتے ہیں۔ ان سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اکثر لوگ صاف دل لیکن ہندوستان سے بے حد مرعوب ملتے ہیں۔ تاہم معقول بات کیجئے تو اثر پذیر ضرور ہوتے ہیں۔

ایک گرجے میں لوگ پاکستان کے حالات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ لیکچر کے بعد سب نے زانوؤں کے بل کھڑے ہو کر پاکستان کی بہبود کے لئے دعا مانگی۔ اور ایک مذہبی HYMN میں پادری صاحب کے تصنیف کردہ دو بند پاکستان کے متعلق شامل کر لئے۔ کالجوں اور سکولوں کے بیشتر طالب علم میرے گھر کے طواف کرتے رہتے تھے اور پاکستان کے ٹکٹ اور تصویریں اور پمفلٹ مجھ سے لے جاتے ہیں۔

ان دو شغلوں سے فراغت ملے تو ادبی ذوق کی آبیاری کرتا ہوں۔ یہاں پڑھے لکھے لوگ زیادہ ہیں۔ علماء کم دیکھنے میں آتے ہیں بعض ترین اس قدر مختلف ہیں کہ گھنٹوں ہمزبانی کے بعد بھی ہم خیالی کم نصیب ہوتی ہے رہے چاروں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب امریکہ کے پاس سب کچھ موجود ہے تو اسے لوگ اپنے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ بھرل ڈنیا میں سب کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ بجز حسین مذاق کے۔ چنانچہ حُسن کو لپ اسٹک اور ہوائی جہاز میں ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ روپے رسامان کی بہتات ہے۔ جتنا کھا سکتے ہیں۔ اس سے دگنا پھینک دیتے ہیں۔ دکانیں اٹا اٹ سامان سے بھری رہتی ہیں۔ اشتہاروں کی وہ بھرمار ہے کہ سورج چاند نظر نہیں آتے۔ ایک اخبار کے سنڈے ایڈیشن میں اکا غذ لگاتے ہیں کہ پاکستان کے سب اخبار دس سال تک اس پر سکتے ہیں۔ تاہم خوش نہیں رہتے۔ کسی چیز پر قانع نہیں ہوتے اور یہ فراری سی ہر وقت ان پر مسلط رہتی ہے۔ جب موقع ملے ایک

آدھ دن ہاورڈ یونیورسٹی میں جاکر گزارتا ہوں۔ وہاں رچرڈز صاحب انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ کیمرج میں میرے استاد تھے۔ ان کی مروت کی وجہ سے وقت وہاں اچھا کٹ جاتا ہے۔

ان ہی کی بدولت میرے وہاں چند لیکچر بھی انگریزی اور امریکن اساتذہ کے متعلق ہوتے۔ نیویارک میں دوست مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ ذہنی اور مادی دونوں فاصلے زیادہ ہیں۔ دوستوں کا جھمگٹا جس کے ہم عادی ہیں۔ وہ یہاں میسر نہیں۔ بجز اس کے کہ ایک "پارٹی" کا ایک وقت۔ لیکن میں نے پارٹیاں صرف سیاست دانوں کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے بعد پیسہ ہی اتنا پاس نہیں ہوتا کہ انسان پاؤں پھیلا سکے۔ لیکن دو ذہین مصنفوں اور ایک آدھ تھیٹر کے ارباب حل و عقد سے ملاقات ہے۔ ان کی بدولت کبھی کبھار شام رنگین ہو جاتی ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں۔ دوستی کے جو رشتے شباب میں قائم ہو جائیں۔ ان کا بدل باقی تمام عمر میں نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے تشنہ رہتا ہوں۔ اب کچھ اردو کی کتابیں بھی منگوائی ہیں۔ تین چار مہینے اردو کی صورت سے محروم رہا۔ پیاس کے مارے زبان باہر لٹکنے لگی تھی۔

صحت کے متعلق پریشانی رہتی ہے۔ ڈاکٹروں سے چھٹکارا نہیں ہوتا۔ خدا حکومت پاکستان کا بھلا کرے۔ کہ علاج معالجے کے اخراجات وہ برداشت کرتی ہے۔ ورنہ یہاں کی فیسیں ایسی ہیں کہ خود ادا کرتی

پڑتیں۔ تو مردہ ہی خراب ہوتا۔ ذیابیطس مجھے نہیں۔ مگر احتیاط ضرور کرنا پڑتی ہے۔ پھر کچھ سرطان کے عود کا شبہ ہوا۔ مگر جگر میں خرابی پیدا ہوئی۔ چنانچہ ہر ہفتے ایک نہ ایک ٹسٹ ہوتا رہتا ہے۔ ناک میں دم آگیا ہے۔ (ان باتوں کا ذکر زبیدہ سے ہرگز ہرگز نہ کیجئے گا۔ وہ بیچاری ناحق پریشان ہوگی)۔

احباب سے محض بے خبر ہوں۔ ناثیر کی موت کا اب تک یقین نہیں آتا۔ آغا حمید کی شادی پر تہنیت کا ان کو ایک تار دیا۔ جواب نہ آیا۔ حسرت، صوفی، ہاشمی، عابد کسی نے بھی خط نہیں لکھا۔ (مجرم میں بھی ہوں)۔ ذوالفقار مجھ سے بلا وجہ رنجیدہ ہے۔ اس کی بچیوں کو یہاں سے کچھ تحائف بھیجے۔ اسے بھی ایک دو خط لکھے۔ لیکن کسی چیز کا جواب نہ آیا۔ جو پاکستانی یہاں آتے ہیں۔ ان سے داستانیں سُنتا رہتا ہوں۔ لیکن وہ اپنی دُنیا کا حال بیان کرتے ہیں۔ میری دُنیا کی بات کوئی نہیں کرتا۔ نیا شعر ایک برس سے نہیں سُنا۔ بار بار وہی شعر گنگناتا رہتا ہوں۔ جو عہدِ رنگیں میں فردوس گوش ہوئے تھے۔ ہارمونیم ساتھ لایا تھا۔ کبھی کبھی اس پر قوالی گاتا ہوں۔ پاکستانیوں میں سے محمد علی، آفتاب، عبدالقیوم، زیڈ۔ ایچ خاں، عبدالقادر، غلام محمد وغیرہم یہاں آتے جاتے ہیں۔ ان سے چند مجلسیں قائم ہو جاتی ہیں۔ لیکن بلا نوشوں کو اس سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔

بڑھاپا بھی آرہا ہے۔ اس کا احساس مجھے ابھی تک نہیں ہوا۔

لیکن آثار تو اندھے کو بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ وزیر اعظم کے ساتھ جو امریکہ کا دورہ کیا تھا۔ اس سے صحت پر سخت چوٹ پڑی۔ کسی دن دو تین گھنٹے سے زیادہ نہ سو پایا۔ اور عظیم ذمہ داری کی وجہ سے میرے اعصاب پر بھی سخت اثر پڑا۔ اس کے بعد آج تک تعطیل نصیب نہ ہوئی۔ اکتوبر، نومبر میں تین مہینوں کے لئے پیرس جانا ہوگا۔ کیونکہ جنرل اسمبلی اس سال وہاں ہوگی۔ ارادہ ہے کہ بیچ میں کرسمس کے لگ بھگ دو تین ہفتوں کے لئے کراچی کا چکر لگاؤں۔ لیکن دیکھئے حالات کیا کروٹ لیتے ہیں۔

آپ کی زندگی میں بھی انقلاب کی وفات سے انقلاب آگیا ہوگا۔ خدا کرے۔ آپ کی ہمت میں خم نہ آئے۔ اپنے حالات سے مجھے مطلع رکھیئے گا۔ انشا اللہ اب میں خط و کتابت میں کوتاہی نہ کروں گا۔ خط ضرور لکھیئے کوئی شعر مل جائیں۔ تو وہ بھی بھیج دیجئے گا۔ کوئی کتاب کام کی ہو تو وہ بھی۔ منصور سے کہیئے۔ فارن آفس کی معرفت ڈپلومیٹک بیگ میں بھجوا دے گا۔

خاکسار

بخاری

اس خط پر نظر ثانی کی۔ تو احساس ہوا۔ کہ رونا ردیا ہے اور پتہ مردگی کے سوا کم کسی چیز کا ذکر کیا ہے۔ اسے مکمل تصویر نہ سمجھیئے۔

پہلا خط ہے ۔ اس لئے دکھڑا سا معلوم ہوتا ہے ۔

بخاری

بنام مولانا غلام رسول مہر

یہ مکاتیب مختصر سی تمہید کے متقاضی ہیں۔

۱۔ یہ اس زمانے کے ہیں۔ جب بخاری صاحب کی خدمات آل انڈیا ریڈیو نے مستعار لے لیں تھیں۔ حکومت پنجاب کے رُو برو ان کے گریڈ کا معاملہ پیش ہوا۔ تو یہ اعتراض اٹھا۔ کہ جن اصحاب کی خدمات دوسرے محکموں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی سابقہ تنخواہ سے زیادہ تنخواہ وصول کرتے ہیں۔ نئے محکمے میں ترقی کے زیادہ مواقع ہوں گے۔ تو ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اِدھر سابقہ محکموں میں نہ صرف اپنی ملازمتوں کا رشتہ استوار رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ گریڈ سے اسی طرح مستفید ہوتے رہیں۔ جس طرح اصل محکمے میں رہ کر رہتے ہوئے مستفید ہوتے۔ ان حالات میں اس وقت کی حکومت پنجاب کا رجحان یہ تھا کہ کسی ایسے شخص کو گریڈ سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے جو اصل محکمے میں برسرِ کار ہوں۔

۲۔ اس وقت سردار سکندر حیات خاں مرحوم نے وزارت قائم کر رکھی تھی۔ اور میاں عبدالحیٔ مرحوم وزیر تعلیمات تھے۔ کسی نے میاں صاحب اور

سردار صاحب دونوں سے عرض کیا تھا کہ اول جس شخص کی خدمات سے
کوئی دوسرا محکمہ فایدہ اٹھانے پر آمادہ ہو جائے۔ لازماً وہ وسیع صلاحیتوں
کا مالک ہوگا۔ اور اسے ان خوبیوں کی سزا نہ دینی چاہیئے۔ دوسرے بخاری
صاحب کی غیر معمولی شخصیت پیش کی تھی۔ اور کہا تھا کہ ان کے معاملے
کو مستثنیٰ سمجھا جائے۔ دونوں نے میری یہ استدعا قبول کرلی اور بخاری
صاحب کو گریڈ مل گیا۔

۳۔ مسٹر من موہن ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیمات تھے اور جن اصحاب کو ان سے
ملاقات کا موقع میسّر آیا۔ وہ اعتراف کریں گے کہ موصوف بلند قابلیت
اور بلند اخلاق کے افسر تھے۔ آج یہ حقیقت عرض کر دینا غالباً
غیر مناسب نہ ہو کہ مسٹر من موہن کے خلاف سب سے زیادہ
شکایات جنوبی و مشرقی پنجاب کے جاٹ ممبروں نے پیش کی تھیں۔
جو اتحاد پارٹی کا ایک اہم عنصر تھے۔ اور چوہدری چھوٹو رام کو اصرار
تھا کہ مسٹر من موہن کو ڈپٹی ڈائریکٹری سے ہٹا دیا جائے۔ اس سلسلے
میں بڑی تگ و دو کی ضرورت پیش آئی۔ یہاں تک کہ چھوٹو رام
کی خدمت میں بھی تمام تفصیلات عرض کر کے انہیں راضی کیا گیا۔
کہ مسٹر من موہن وقت کے لحاظ سے بہترین شخص ہیں۔ مسٹر من موہن،
بخاری صاحب اور بعض دوسرے اصحاب کے عزیز دوست تھے۔ ان
سب نے اس دورِ ابتلا میں موصوف کے لئے ہر ممکن کوشش کی تھی۔
یہاں تک کہ بخاری صاحب نے ان کے معاملے کو اپنے معاملے پر بھی

مقدم رکھا۔ اس کا نتیجہ بھی حسبِ مراد نکلا یعنی مسٹر من موہن اپنے عہدہ پر بر قرار رہے۔

۴۔ دھرم پور میں ملاقات نہ ہو سکنے کا یہ معاملہ ہے۔ کہ بخاری صاحب اپنے حقوق کے سلسلے میں ڈائریکٹر صاحب تعلیمات نیز وزیر تعلیمات و وزیرِ اعظم سے ملنے کے لئے شملہ گئے تھے۔ میں اس زمانے میں اپنے بھائی کے پاس سناور میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جو دھرم پور (کوہستان شملہ) سے قریب ہے۔ فون کے ذریعے سے طے ہو چکا تھا۔ کہ میں دھرم پور پہنچ کر ان سے مل لوں گا۔ بخاری صاحب کو شملہ سے آنے میں دیر ہو گئی۔ اور کسی قدر اندھیرا ہو گیا۔ میں دھرم پور اسٹیشن پر بیٹھا رہا۔ جب کوئی موٹر آتی۔ کسی آدمی کو بھیج کر دریافت کرا لیتا۔ بخاری صاحب اسٹیشن سے آگے نکل کر اس سڑک پر میرا انتظار کرتے رہے۔ جو کسولی اور سناور کی طرف جاتی ہے۔ میں مایوس ہو کر سناور چلا گیا۔ وہ مایوس ہو کر کالکا پہنچے۔ اور وہاں سے سناور ٹیلی فون کرتے رہے۔ چونکہ میں دھرم پور میں تھا۔ اس لئے فون پر گفتگو نہ ہو سکی۔ سناور پہنچنے پر ان کے فون کا علم ہوا۔ تو وہ کالکا سے ٹرین میں سوار ہو کر دہلی جا چکے تھے۔

۵۔ بخاری صاحب نے ایک مکتوب کے آخر میں لکھا ہے کہ اوّل اس کی رسید بھیجی جائے۔ دوسرے اسے پڑھنے کے بعد چاک کر دیا جائے۔

اس آخری ارشاد کا مدعا یہ تھا۔ کہ خط کسی کے ہاتھ نہ پڑ جائے۔ کہ اس کی اشاعت سراسر خلاف مصلحت تھی اور میں نے اسے چاک نہ کیا اور یہ ارادتاً نہیں۔ بلکہ اتفاقیہ محفوظ رہ گیا۔ اب اس کی اشاعت کسی بھی مصلحت کے خلاف نہیں۔ اور یہ اس عزیز دوست کی نگارشات کا ایک مرقع ہے۔ جس پر تحریر کو اس وقت ایک بیش قیمت تحفے کی حیثیت حاصل ہے۔

۱

۲۰۔ پرتھوی راج روڈ نئی دہلی۔
بروز اتوار

مشفق محترم!

نہ معلوم کیا بات ہوئی۔ دھرم پورہ میں آپ دکھائی نہ دیئے۔ سناور کی سڑک اور بڑی سڑک کے مقام اتصال پر میں آدھ گھنٹہ انتظار کرتا رہا۔ پھر مایوس ہو کر چلا گیا۔ کالکا پہنچ کر آپ کو سناور ٹیلی فون کیا۔ اور ساڑھے نو بجے تک تین مرتبہ ٹیلی فون کیا۔ لیکن آپ سناور میں تشریف فرما تھے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ آپ ضرور دھرم پور تشریف لے گئے ہوں گے۔ اور وہاں میرے منتظر ہوں گے۔ مجھ سے نہ مل کر آپ کو بے انتہا کوفت ہوئی ہوگی۔ جس کے لئے میں بہت نادم

ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں۔ معلوم ہوتا ہے۔ میری بصارت نے مجھے دھوکا دیا۔ آپ ضرور سڑک پر ہوں گے۔ لیکن مجھے نظر نہ آئے تھے۔

بہر حال شملے کی داستان سُن لیجئے۔ ڈائریکٹر صاحب سے ملا پھر میاں صاحب قبلہ سے ملا۔ دونوں نے حامی بھر لی کہ تمہیں سلیکشن گریڈ دے دیا جائے گا۔ اس مسئلے پر کہ میں پنجاب میں واپس آؤں۔ یا آؤں توکب آؤں۔ بحث ہی نہ ہوئی۔ بلکہ اس بات کا ذکر تک نہ آیا۔ میں نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس وقت میں نے واپس آنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو میاں صاحب کو گونا گوں دقتیں پیش آئیں گی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ انہیں اس وقت مشکلات میں مبتلا کیا جائے۔ جب انہوں نے مجھے بغیر واپس بلانے کے سلیکشن گریڈ دینے کا وعدہ کر لیا۔ تو اس پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ میاں صاحب کا رویہ از حد مشفقانہ اور ان کا سلوک بہت ہی اچھا تھا۔ خدا ان کو خوش رکھے۔ انہوں نے ہر طرح سے میری تسلی کر دی۔ وزیر اعظم صاحب سے بھی ملا۔ انہوں نے بھی امداد کا وعدہ کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ آپ کو شملہ جانے کی تکلیف دی جائے یا نہ، بظاہر تو اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن فی الحقیقت اس کی ضرورت ابھی تک موجود ہے۔ جانے سے فائدہ نہ ہو۔ لیکن نہ

جانے سے اغلباً نقصان ہوگا۔ اس لئے مجھ پر اتنا کرم کیجئے۔ کہ ایک دن کے لئے شملہ چلے جائیے۔ میاں صاحب سے مل کر پوچھئے۔ کہ سلیکشن گریڈ کے متعلق انہوں نے کیا فیصلہ کیا۔ اور میرے واپس پنجاب آنے کا تذکرہ نہایت سرسری (وہ بھی اگر ضرورت پڑے تو) کیجئے۔ ورنہ خیر۔ میاں صاحب سے ملنے سے پہلے من موہن سے ضرور مل لیجئے۔

اس کے علاوہ ایک اور کام ہے اور وہ شاید میرے کام سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض شریر لوگ اور بعض نیک، مگر غلط فہمی میں مبتلا لوگ اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ من موہن کو موجودہ عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ ڈائریکٹر ان کے کام سے خوش ہیں۔ میاں صاحب خود ہر طرح سے خوش اور مطمئن ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ خواہ مخواہ من موہن پر کلنک کا ٹیکہ لگایا جائے؟ لیکن اہلِ غرض کا دباؤ دُور تک پہنچ چکا ہے۔ جب میں شملہ سے روانہ ہوا۔ حالات تشویش ناک تھے۔ آپ سے ملاقات ہوجاتی تو بیشتر وقت میں اسی بات پر صرف کرتا۔ اب حقیقت یہ ہے۔ کہ حکومت خواہ مسلمانوں کی ہو خواہ ہندوؤں کی۔ ہندو افسروں کا وجود تو ضروری ہے۔ مگر یہ سچ ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایسے ہندوؤں کی حمایت نہ کی جائے۔ جو لائق، فہیم اور ایماندار ہیں۔ اور خدا گواہ ہے۔ کہ من موہن سے بہتر آدمی اس وقت کسی مذہب میں بھی نہیں مل سکتا۔

ان کا ریکارڈ خفیف سے خفیف شبے سے بھی پاک ہے اور ان کی دیانت اور اصابت مسلم ہے۔ اور پھر کوئی ایسا مسلمان افسر بھی موجود نہیں۔ جو ان کی جگہ مقرر کیا جا سکے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں خواہ مخواہ پریشان کیا جائے اور وہ اس قدر دلگیر ہیں۔ کہ استعفا تک دینے پر آمادہ ہیں۔ ذرا ان سے مل لیجئے۔ اور اس کام کو میرے کام سے بھی ضروری سمجھ کر ان کی مدد کیجئے۔ میں آپ کی عنایتوں کا بے انتہا ممنون ہوں۔ آپ نے میرے لئے بہت زحمت برداشت کی۔ اور آپ کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔ آخر میں دو ضروری باتیں عرض کرتا ہوں۔ ایک تو اس خط کی رسید ضرور بھیجئے۔ دوسرا اسے پڑھ کر چاک کر دیجئے۔

خاکسار

بخاری

۲

۲۰۔ پرتھوی راج روڈ، نیو دہلی

۵۔ جون

محترم دوست

سلام مسنون! میں ایک معافی کی عرضی پہلے آپ کی خدمت

میں بھیج چکا ہوں ۔ اب گرامی نامہ آنے پر دوبارہ لکھ رہا ہوں ۔ یقین مانئے کہ میں ازحد شرمندہ ہوں ۔ کہ آپ کو ازحد زحمت ہوئی ۔ واللہ اس میں مَیں بالکل بے قصور ہوں ۔ دھرم پورہ میں آپ کو تلاش کیا ۔ سناور کی سڑک اور بڑی سڑک کے مقام اتصال پر طویل انتظار کیا ۔ کالکا پہنچ کر دو تین مرتبہ آپ کے نام سے آپ کو پرسنل ٹیلی فون کیا ۔ اور ایک تو نہ ملنے کا اور دوسرے آپ کو اس قدر تکلیف دینے کا ۔ ان دونوں باتوں کا انتہائی افسوس دل میں ہے کہ آپ بار اللہ مجھے معاف کر دیجئے ۔ میں ازحد نادم ہوں کہ آپ جیسے مشفق کرم فرما کو اس قدر رنج پہنچایا ۔ اور وہ بھی اس حالت میں کہ آپ میرے کام کے لئے اس قدر تکلیف اُٹھا رہے تھے ۔ میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن احتیاط برتی ۔ اور ہر پیش قدمی کی ۔ لیکن میری بدقسمتی اور انتہائی بدقسمتی کہ بجائے اس کے کہ آپ کا شکریہ خود اپنی زبان سے آپ کی خدمت میں ادا کر سکتا ۔ اُلٹا آپ کو پریشان کیا ۔

میں کل ایک مفصل خط لکھ چکا ہوں ۔ اب اپنے کسی کام یا غرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے ۔ کس منہ سے آپ کو کہوں کہ آپ مجھے درخور اعتناء سمجھیئے ۔ بہرحال اگر آپ جو گستاخی یا غفلت میری طرف سے سرزد ہوئی ہے اس کے لئے مجھے معاف کر دیں ۔ تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا ۔

دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ میں ازحد نادم اور معافی کا خواستگار

ہوں۔ میرا قصور میری بدقسمتی کے سوا کچھ نہیں اور آپ کی پریشانی کی کوئی قیمت میں ادا نہیں کر سکتا۔ سوائے اپنے عجز و انکسار کے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خط مکان کے پتہ پر لکھا کیجئے۔

خاکسار

بخاری

۳

۲۰۔ پرتھوی راج روڈ، نئی دہلی

برادرِ محترم

سلام مسنون!

پے در پے آپ کو دق کر رہا ہوں۔ لیکن آج گرامی نامہ مورخہ ۵۔ جون ملا۔ اس میں ایک فقرہ آیا ہے کہ

"بہر حال اس معاملے میں آپ کی طرف سے جواب کا انتظار ہو گا۔"

بمقتضا اس فقرے کے آج پھر آپ کی خدمت میں پیش ہو رہا ہوں۔ واپسی کا مسئلہ اس وقت چھیڑنا اس لئے مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ

۱۔ گریڈ اور واپسی بیک وقت دو مسئلے سامنے آ جانے سے صاحب موصوف کو پریشانی ہو گی۔ اور ایک کے پیچھے دوسرا بھی معرضِ خطر میں پڑ جائے گا۔

۲۔ اگر میں واپس نہ آؤں اور یہیں گریڈ مل جائے تو اس گریڈ میں وہاں کوئی اور قائم مقام ہوگا۔ چنانچہ ایک کی بجائے دو آدمیوں کا بھلا ہو جائے گا۔ اغلباً صاحبِ موصوف کو یہ شکل زیادہ مرغوب ہو گی۔

۳۔ بعض کوائف یہاں ایسے ہیں کہ اگر میں فی الحال کچھ عرصے یہاں اور ٹھہر جاؤں تو غیر مناسب نہ ہوگا۔

۴۔ واپسی کا مسئلہ ہر وقت چھیڑا جا سکتا ہے۔ بلکہ واپسی کا حق میرے پاس ہے۔ جب چاہوں واپس کر سکتا ہے۔ کوئی مجھے روک نہیں سکتا۔ اور کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ جب واپسی کا موقع آئے گا۔ تو اس وقت اس مسئلے کو بھی چھیڑا جا سکتا ہے۔ کہ کس عہدے پر واپس آؤں۔

۵۔ گریڈ کا مسئلہ جولائی کے شروع میں ختم ہو جانا چاہیئے۔ اس کے بعد اگر اکتوبر تک بھی واپسی کا سامان ہو گیا۔ تو جو مصالح آپ کے پیشِ نظر ہیں ان کو گزند نہ پہنچے گا۔

۶۔ فی الحال میری واپسی کی وجہ سے صاحبِ موصوف کو یقیناً بعض دقتیں پیش آئیں گی۔ جن کی وجہ سے وہ پریشان ہوں گے

اور ان کی قوتِ فیصلہ تذبذب ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ بعد حالات میں زیادہ سہولت کی گنجائش ہو گی۔

ان سب باتوں پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فی الحال باقی سب باتوں سے قطع نظر کر کے گریڈ کے معاملے کو پختہ اور بہت پختہ کر لینا چاہیئے۔ اصل چیز یہی ہے۔ واپسی کا مسئلہ ایسا ہے کہ اسے ہر وقت اُٹھایا جا سکتا ہے، جتنا کہ آج۔ البتہ آج اُٹھانے سے گریڈ کے معاملے میں کچھ رکاوٹیں حائل ہو جائیں گی۔ اور ممکن ہے کہ غلط مبحث کی رو میں اصل مقصد بھی بہہ جائے۔ چنانچہ میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ آپ اپنی جانب سے گریڈ کی گفت و شنید کو خاطر خواہ طور پر مختتم کرا لیجئے۔ واپسی کے مسئلے کو ہلکے سے چھیڑ دیجئے۔ اور کہیئے کہ اس پر انشا اللہ تعالیٰ سردیوں میں مفصل بحث ہو گی۔ یا ایسی ہی کوئی بات کہہ دیجئے۔ تاکہ اس پر گفتگو کرنے کا حق بھی آئندہ کے لئے برقرار رہے اور گریڈ کا کام فی الحال یکسوئی سے ہو جائے۔

جن مصالح کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ وہ بہت اہم ہیں اور یقین مانیئے کہ میں اس قدر خود غرض نہیں کہ مجھے ان کا بحیثیت مصالحِ ملی کے کبھی خیال ہی نہ آیا ہو۔ لیکن میں نے اہلِ رائے سے جب اچھی طرح مشورہ کر لیا۔ تو طریقِ کار وہی بہتر معلوم ہوا جو میں عرض کر چکا ہوں۔

جیب صاحب موصوف سے آپ مل چکیں تو مجھے اس کے نتیجے سے ضرور مطلع فرمائیں۔ کہ میں چشم براہ رہوں گا۔

دھرم پور میں ملاقات نہ ہونے کا واقع عمر بھر کے لئے ایک لطیفہ بن کر رہ جاتا۔ بشرطیکہ اس میں مجھے ندامت کا احساس نہ ہوتا۔ بہرحال جب آپ کی کوفت دُور ہو جائے گی اور آپ بالکل معاف کردیں گے۔ تو مجھے بھی اس واقع پر ہنسنے کی جرأت ہو گی۔ کیونکہ واقع فی الواقع مضحکہ انگیز ہے۔ کہ دو عاقل و بالغ جو سوئمبر کی غرض سے ایک دوسرے کے منتظر تھے۔ ایک دوسرے کو باوجود تلاش کے نہ دیکھ سکے۔

زخود در جستجوئے خویش رفتم
غبارم سرمۂ چشم عاشقاں را

بندۂ خاکسار

بخاری

۴

۹، اشوکا روڈ، نئی دہلی

۱۳ نومبر

برادرِ محترم سلام مسنون و تہنیتِ عید۔

گرامی نامہ ملا۔ جس نے مجھے مخمصے میں ڈال دیا۔ بیس فیصدی کا اضافہ تو غیر معمولی بات نہیں۔ جب خدمات مستعار لی جائیں۔ تو عموماً یہی ہوتا ہے۔ لیکن سوچتا ہوں کہ یہ ہو لیا تو بہر حال مستقبل کیا ہے۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد فیصلہ کیا تھا۔ کہ واپسی پر کالج کا تقرر ہونا چاہیئے۔ لیکن پوزیشن سامنے رکھ کر کام کرنا چاہیئے۔ لیکن جو پوزیشن اب آپ نے بیان کی ہے۔ اس سے تو مستقبل کے سب دروازے اغلباً بند ہو جائیں گے۔ نہ معلوم آپ نے اس پہلو پر غور کیا یا نہیں۔ اس لئے قدرے تامل ہے۔ لیکن تامل کرتے ہوئے بھی متامل ہوتا ہوں۔ کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ "تامل اربابِ نظر کے لئے تکدر کا باعث ہو گا" اس فقرے نے کچھ خائف کر دیا۔ اس کی تفصیل اگر

۱۔ آپ کر سکیں تو سوچنے میں آسانی ہو گی۔ اس لئے آپ کے مزید خط کا منتظر ہوں۔

۲۔ کیا یہ صورت تو نہیں کہ واپسی پر میرا کہیں کھپانا مشکل نظر آرہا ہے سوا بجز اس کے کہ اوروں کو متنزلزل کیا جائے) اس لئے یہ تجویز ہو رہی ہے؟

۳۔ علاوہ بریں اب تک سلیکشن گریڈ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ اس کا انتظار لمبا اوقات مایوسی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے پہلے وہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

ان تینوں امور پہ آپ روشنی ڈال سکیں۔ تو میں کچھ رائے بھی دے سکوں۔ اور ضرورت ہو تو دہلی آ جاؤں۔ گو ہفتہ اتوار سے پہلے آنا مشکل ہوگا۔ میں نے اپنا پتہ خط کی پیشانی پہ لکھ دیا ہے۔ اسی پتہ سے خط بھیجئے گا۔ تا کہ ملنے میں تاخیر نہ ہو۔ سلام شوق۔

خاکسار

بخاری

۵

۱۔ تیرے وعدے پر جیئے ہم ------- الخ

۲۔ سالک بے مہر کو آنسے دیکھا[۱] میری بدقسمتی کہ آپ کا گھر رستے میں حائل تھا[۲]

بخاری

۳۔ آپ خط کا جواب ہمیشہ کسی ایسے کاغذ پر دیتے ہیں۔ جو انگریز لوگ حوائج ضروریہ کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں[۳] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ عدیم الفرصتی کی وجہ سے بیت الخلاء میں بھی خط لکھتے رہتے ہیں۔ لہذا ایک سادہ کاغذ بھی ارسال خدمت ہے۔

۱؎ مراد یہ ہے کہ سالک اکیلے تھے۔ میرے ساتھ نہ تھا۔ دوسرے معنی ظاہر ہیں۔

۲؎ بخاری صاحب اس زمانے میں بیڈن روڈ پر اس مکان میں رہتے تھے۔ جو شاہ ابوالمعالی والے چوک اور فلیمنگ روڈ والے چوک کے تقریباً وسط میں تھا۔ میں اس کے قریب رمضان بلڈنگ میں موجودہ قومی دواخانے کی بالائی منزل میں رہتا تھا۔ سالک صاحب پُل روڈ پر مقیم تھے۔ بخاری صاحب اپنے مکان کے برآمدے میں بیٹھے تھے۔ دُور سے دیکھا کہ سالک صاحب آ رہے ہیں۔ لیکن وہ راستے میں میرے ہاں ٹھہر گئے۔

۳؎ جو کچھ لکھنا ہوتا تھا۔ پنسل سے مضمون لکھنے کی سلپوں پر لکھ دیتا تھا۔ بخاری صاحب کے نزدیک وہ کاغذ حوائج ضروریہ میں استعمال کا مستحق ٹھہرا۔

۴؎ تاکہ جواب اس پر لکھوں۔

صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم

کے نام

۱

نیویارک

عزیزی و محبّی!

سلام مسنون!

ابھی ابھی ایلیسی کا خط ملا۔ جس سے آپ کی اہلیہ مرحومہ کے انتقال کا علم ہوا۔ عین مصروفیت کا زمانہ ہے۔ اسمبلی کا اجلاس روزانہ ہوتا ہے۔ اجلاس گاہ ۲۵ میل دُور ہے۔ صبح جاتے ہیں۔ رات کے ساڑھے سات بجے لوٹتے ہیں۔ یک لخت ارادہ کیا۔ کہ آپ کو تار دُوں۔ کسی زمانے میں تار مستعدی اور جذبہ فرمائی کی علامت تھا۔ کاروبار کے سلسلے میں اتنے تار بھیجے ہیں، کہ اِن کی حقیقت کھُل گئی ہے۔ کہ تار کاہلی اور اتمام حجت کی ایک ترکیب معلوم

ہونے لگا ہے ۔ اس لئے اس اتوار (یعنی آج) کا انتظار کیا۔ تاکہ آپ کو خط لکھ سکوں۔ جو صدمہ آپ کو پہنچا ہے ۔اس کے متعلق میں کیا بات ایسی کہہ سکتا ہوں۔ جو پا مال اور بے معنی نہ ہوگئی ہو۔ لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ایک مرتبہ نہیں سو مرتبہ آپ کے گھر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا ۔آپ کی بے فکری، آپ کی ضیافتیں، آپ کی مجلسیں انہی کی طفیل تھیں۔ نہ معلوم اب آپ پر کیا گزرے گی۔ یقیناً آپ کو بار بار ایک ایسا خلا محسوس ہوتا ہوگا۔ جس کو اب آپ کسی طرح پُر نہیں کر سکتے ۔میری ہمدردی بے کار ہے۔تاہم اگر اس سے آپ کا غم ذرہ بھر بھی کم ہو جائے۔ تو مجھے اطمینان ہوگا۔ خدا ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور خدا آپ کی زندگی کا انتظام آپ پر آسان کر دے۔ مرنے والے مر جاتے ہیں۔ زندہ کا خیال نہیں کرتے۔

مہینہ بھر ہوا ۔میں نے مسنغدی سے ایک نادر لمحہ میں ایلیس کو ایک طویل خط لکھا تھا۔ خیال تھا۔ دوستوں کے دل کو اس سے دستک ہوگی۔ ایلیس سے کہا بھی تھا۔ کہ خط احباب میں نشر کر دینا۔ اگر وہ آپ کی نظر سے گذرا ہے ۔تو میری زندگی کا نقشہ آپ کو معلوم ہوگا۔ نئے ملک میں گھر یاد کرنا خصوصاً اس عمر میں جب کہ عادتیں راسخ ہو چکی ہوں۔ اور دل کا درجہ حرارت تنزل پر ہو۔ایک مہم ہے۔ بہرحال کچھ صورت سہولت کی پیدا ہو ہی گئی ہے۔ صحت کے متعلق

تشویش رہی اور تشویش سے زیادہ مصروفیت ۔ یا انسان ڈاکٹروں کا ہو رہے ۔ یا زندہ رہنے کی کوشش کرے ۔ دونوں باتیں مشکل سے یکجا ہوتی ہیں ۔ ڈاکٹروں کی گود میں بیٹھ رہنا زندگی نہیں ۔

حمیدالدین سے ایک مفصل ملاقات ہوئی تھی ۔ لیکن اب یہ دو مہینے پرانی بات ہے ۔ ذرا اسمبلی کا کام ہلکا ہولے ۔ تو پھر ان سے اِن کے دِل کا حال سنوں گا ۔

آپ کو خطوں کی اتنی ضرورت نہ ہوگی ۔ جتنی مجھے ہے ۔ رسالک کو میرا پیار اور سلام کہیئے گا ۔ انہیں بھی خط لکھنا ہے ۔ ہو سکے تو مجھے کوائف سے آگاہ کیجیئے ۔ عابد، ہاشمی، تاثیر اور دیگر احباب آج کل کس بحر میں شعر کہتے ہیں ۔

خاکسار

بخاری

۲

۱۷ ۔ اپریل ۱۹۵۸ء

صوفی میرے بھائی ۔

ایلس فیض کی معرفت آپ کو شاید میرا پیغام پہنچا ہو ۔ کہ مجھے یہاں اس سال کے دوران ، ایک یونیورسٹی میں اُردو زبان اور اُردو ادب

کی تاریخ و ارتقاد پر چند لیکچر دینے ہیں۔ چاہتا ہوں۔اس کے لیے مکمل تیاری کروں۔ اور آپ کی خدمت میں بوسیلہ ایلیس یہ درخواست کی تھی کہ فی الحال ایسی کتابوں کی فہرست (تیس یا چالیس) بھیج دیجئے۔ جنہیں پڑھ لینا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کلیات اساتذہ اور تنقید کی کتابیں (اُردو اور انگریزی) سب شامل ہوں گی۔ چنانچہ آپ بھی فہرست مرتب کرتے وقت اس بات پر نگاہ رکھیئے۔جب یہ فہرست میرے پاس پہنچ جائے۔ تو دیکھوں گا کہ اس میں کون کون سی کتابیں یہاں موجود ہیں۔ باقی پاکستان سے منگوا لوں گا۔ فی الحال صرف فہرست کتب مطلوب ہے۔ جو آپ سے بہتر کوئی مرتب نہیں کرسکتا۔ کیونکہ آپ اس مضمون کے ماہر بھی ہیں۔ اور مجھے دعوےٰ ہے کہ میرے دوست بھی ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ دو باتیں آپ کے پر غالب آئیں گی۔ آپ کے بغیر میں بالکل یہاں بے دست و پا ہوں۔

لہذا عاجزانہ درخواست ہے کہ اس میں غفلت یا تاخیر نہ کیجئے۔ ممنون ہوں گا۔ لاہور کے چند رنگین ایام ایک ایسا خواب ہے، جو محو ہونے میں نہیں آتا۔ الحمدللہ کہ یہ دن نصیب ہوئے۔ اور دوستوں کو بولتے ہنستے دیکھ لیا۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

ندرت کو میرا سلام کہیئے گا۔ (یہی نام تھا نہ اس دل چسپ اور گرم دِل خاتون جو ہوائی اڈے تک آئیں۔ اور جنہوں نے مجھے اپنے خلوص سے نوازا)۔

میرا یہ پتہ کافی ہے۔ میرا نام

United Nations, New York U.S.A.

خاکسار

بخاری

۳

نیویارک

۲۱، اکتوبر ۱۹۵۸ء

برادرِ عزیز

قلم میں وہ اثر کہاں سے لاؤں۔ جو آپ کے دل کو پگھلا دے۔ باوجود عاجزانہ منت سماجت کے آپ کے خط سے محروم ہوں، نہ معلوم آپ کو کیا ہو گیا ہے؟

سکینہ کی تاریخ ادب اُردو اور مرزا عسکری کی اسی مضمون کی کتاب کی اشد اور فوری ضرورت ہے۔ لیکن کسے لکھوں۔ سب سے زیادہ بھروسہ آپ پر تھا۔ لیکن آپ نے وہ چپ سادھی ہے کہ میں بے بس ہو گیا ہوں۔

خاکسار

بخاری

بنام سیّد ہاشم رضا

یونائیٹڈ نیشنز۔ مگز مبرگ (پیرس)
مشفق و مکرمی

سلام مسنون!

روما سے وینس اور وینس سے پیرس پہنچ گیا۔ یہاں سے لندن جاؤں گا اور وہاں سے ہفتے عشرے کے اندر انشا اللہ، نیویارک۔

وطن کا حج ہمیشہ مبارک ہوتا ہے، خواہ حالات تلخ یا باعثِ تشویش ہی کیوں نہ ہوں۔ اب کے بھی یہی عالم تھا۔ احباب سے مل کر ایسا اطمینان ہوا کہ اب اُونٹ کی طرح اسے کوہان میں برس دو برس اُٹھائے پھروں گا۔ اور تشنگی اس سے پردیس کے صحراؤں میں بجھاتا پھروں گا۔ اس مرتبہ آپ سے بھی ملاقات ہو گی۔ اپنی خوش قسمتی پر ناز تھا۔ قدرے اپنی محرومی کا ماتم بھی کیا۔ کہ اس سے پہلے آپ سے نیاز کیوں حاصل نہ ہوا تھا۔ آپ جس اخلاق اور محبت سے پیش آئے۔ اس کی دل کشی ذہن سے محو نہیں ہوتی۔ دو حرف

شکریے کے لکھ رہا ہوں۔ قبول کیجئے۔

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

مجھے اپنا خادم سمجھئے اور کوئی خدمت میرے لائق ہو۔ تو بلا تامل ارشاد کیجئے۔ اپنی بیگم صاحبہ سے بھی میرا سلام کہیئے گا۔

بندۂ خاکسار

احمد شاہ بخاری

۲۳۔ نومبر ۱۹۵۴ء

سیّد امتیاز علی تاجؔ

کے نام

۱

۲ر نومبر

ڈیئر امتیاز!

دسمبر کے آخر میں دو مہینے کی رخصت لوں گا۔ جو بیشتر دہلی میں اور باقی کسی پہاڑی مقام پر گذاروں گا۔ یکم مارچ کو پرنسپل گورنمنٹ کالج کا چارج لینا ہے۔

جوں جوں واپسی کے دن قریب آتے جاتے ہیں۔ دل میں عجیب اُمنگیں پیدا ہو رہی ہیں۔ ہیجان کے اتنے سال تم سے وابستہ رہ کر گذارے ہیں۔ کہ ہر امنگ کے ساتھ تم آپ ہی آپ دِل میں چلے آتے ہو۔ کبھی کبھی ڈرتا ہوں کہ نامعلوم اس درمیانی عرصہ میں طبیعتوں کی آب و ہوا بالکل ہی بدل نہ گئی ہو۔ لیکن پھر سوچتا ہوں کہ جوانی کے علاقے اور رشتے کبھی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور کبھی

تن جاتے ہیں۔ لیکن موت سے پہلے ٹوٹتے نہیں اور الحمدللہ کہ تم اور میں ابھی موت سے بہت دور ہیں۔ اس امید کی بنا پر لاہور آنے کے خیال سے بجز مسرت کے اطمینان کے کوئی جذبہ دل نہیں اٹھتا۔ تابستان کی طویل دوپہریں اور زمستان کی طویل راتیں اور احباب کی طویل پرزہ گوئیاں پھر یاد آتی ہیں۔

بہت تھک گیا ہوں۔ گیارہ سال بجز بیماری کے ایک دن کی رخصت بھی نہیں لی۔ موسم گرما کی تین مہینے کی چھٹیاں اور دوستوں کی گرم محفلیں پھر بُلا رہی ہیں۔ زبیدہ واپس جانے پر اتنی خوش ہیں کہ بیان نہیں کرسکتا۔ حجاب کو ہم دونوں کا سلام قبول ہو اور یاسمین کو پیار۔ کل حمید صاحب اور تاثیر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ خدا ثریا کی زندگی کو کامران بنائے۔ بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن اب ان کے لئے کئی موقع نصیب ہوں گے۔ ۲۰ نومبر کو چند دن کے لئے شاید دورے پر بھی لاہور آجاؤں۔ کیا تم اس خط کے جواب میں خط لکھو گے؟

خاکسار

بخاری

۲

یکم جون

بادشاہ بخیر!

"ورجینیا" ۳؍جون سنیچر کو دہلی سے ہو رہا ہے۔ رفیع پیر اور رشید خود پارٹ کر رہے ہیں۔ اس لئے عین آخری وقت میں انہوں نے پروڈکشن میرے حوالے کر دی ہے۔ وقت تھوڑا ہے۔ مصروفیتں زیادہ۔ اس لئے دادِ فن کاری نہ دے سکوں گا۔ اس کا افسوس رہے گا۔ تاہم ایک آدھ بات آپ ضرور ایسی پائیں گے۔ کہ دل پژمردہ نہ ہوگا۔ فرصت ہو تو سن لیجئے گا۔ اور مجھے اپنی رائے سے مطلع کیجئے گا۔ فرصت نہ ہو یا ——— RECEPTION بُرا ہو۔ تو لکھ بھیجئے۔ تاکہ آپ کو ریکارڈ بھرا دیں۔ اور آپ کسی وقت لاہور اسٹوڈیو میں جاکر اسے سُن لیں۔ مدت کے بعد کھیل کے سلسلے میں آپ سے پھر تعلق قائم ہوا۔ گو اس کی حقیقت بوسہ بہ پیغام جیسی ہے۔ تاہم پرانی یاد تازہ ہوئی اور دل کو جیسے کسی نے دستک دی۔ برسات میں دہلی آؤ گے؟ سالک اور تم دونوں آنے کا پروگرام بناؤ اور یہاں آکر رام پور کے شاہی باغیچے کے آم کھاؤ۔

بخاری۔

۳

گورنمنٹ کالج لاہور

۱۰۔ جولائی

ڈیئر امتیاز!

نیو یارک کو میں نے چارج ۱۰۔ جون کو ہی لے لیا تھا۔ خیال تھا
کہ اس کے بعد مہینے دو مہینے کے لئے لاہور آؤں گا۔ لیکن مہلت
صرف پندرہ دن کی ملی۔ اس میں سے پانچ چھ دن کراچی میں ضائع
ہو گئے۔ آتے ہی بیمار پڑ گیا۔ بالآخر پانچ جولائی کو لاہور پہنچا۔
پرسوں کراچی واپس چلا جاؤں گا۔ اور پندرہ جولائی کو وہاں
سے انشاء اللہ نیو یارک۔ پھر نہ معلوم کب مراجعت ہو۔ گھر کا سامان
سب پیک ہو چکا ہے۔ بیشتر کراچی جائے گا۔ وہاں ایک مکان
کا انتظام ہو گیا ہے۔ منصور وہاں رہے گا۔ اور زبیدہ بھی
فی الحال وہیں رہیں گی۔ وہ بھی ہفتے عشرے تک کراچی چلی جائیں گی۔
احباب سے فرداً فرداً رخصت ہوں۔ آپ سے تاثیر صاحب
سے ملاقات نہ ہو سکی۔ میں یہاں پہنچا۔ تو تاثیر ایک دن پہلے انگلستان
روانہ ہو گئے تھے۔ اب آپ سے اور حباب سے نہ ملنے کا افسوس
رہے گا۔ نہ معلوم پھر کب ملاقات ہو۔ میرے امتیاز آمیز منصوبے بدستور
رہ گئی ہیں۔ جانے سے پہلے آپ سے کئی باتیں کرنی تھیں۔ کہ اگر یہ

کیا جائے تو کیسا ہو۔ اور وہ کیا جائے تو کیسا خیال ہے۔ چاہتا تھا، لاہور سے پھر کچھ تجدید عہد کرتا جاؤں۔ بڑے رنگین دن اور راتیں اس شہر میں اور ریلوے روڈ پر گذاری ہیں۔ لاہور چھوڑنے کا کچھ افسوس سا ہے۔ تشفی کا پہلو صرف اتنا ہے کہ دو سال کی جہاں گردی کے بعد کہیں تو قیام ہوگا۔ میں سفر سے تنگ آگیا ہوں۔ ٹکٹ، پاسپورٹ سوٹ کیس کا خیال آتے ہی وحشت ہونے لگتی ہے۔ لاہور میں جم کر بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ نہ توقع تھی کہ آئندہ ہوگا۔ یہ آخری لمحے یہاں اس طرح گذر رہے ہیں۔ کہ کچھ آپ ہی اسے سمجھ سکتے ہیں۔ یا آپ یا سالک باقی دُنیائے عشق میں نوارد ہیں۔ کہاں تک انہیں ہمراز بنائیے۔ کون انہیں بتائے کہ دہلی مسلم ہوٹل کتابِ زندگی میں کس مضمون کا ورق تھا۔ رحمت علی خاں کا تھیٹر کیسا مردم خیز گوشۂ حیات تھا۔ مچھلی کے شکار کا مولانا عبدالمجید خاں سالک کی رُوح پر کیا اثر پڑتا تھا۔ حکیم احمد شجاع خشک ہوگئے۔ حفیظ جوبلی مناکر جنّتِ جی ملکہ وکٹوریہ سے واصل ہوگئے۔ یوں بھی مدّت سے ان کا دین اور ان کی دُنیا ہم سے الگ ہے۔ "لو پھر بسنت آئی" کا زمانہ یاد کیجئے اور پھر الحمرا میں ان کا شام بھر (رات بھر) نظمیں پڑھنا یہ اس کے مقابلے میں ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ باقی کون رہ گئے؟ آپ کے فلم یونٹ کا حال سُنا۔ آپ ہوتے تو اس میں بطلانِ مشیر کے دخل دیتا۔ مشیری میرا پُرانا پیشہ ہے۔ آپ میرے پُرانے گاہک ہیں۔

یہ کاروبار عادت ہو گیا ہے۔ اب نہ معلوم نشہ کیوں کر پورا ہوگا۔ خلیفہ عبدالحکیم سے بھی خدا حافظ کہتے گیا۔ معلوم ہوا۔ وہ مری چلے گئے ہیں۔ ان کا پتہ مجھے معلوم نہیں۔ ان کو میرا سلام اور پیار کہیئے گا۔ بلکہ تکلیف کر کے ان سے بالخصوص مل لیجیئے گا۔ ز تکلیف کی تکلیف سیر کی ببر) بعض لوگوں نے یہاں میرے متعلق مجھ سے بدگمانی کا اظہار کیا۔ سند میں خلیفہ عبدالحکیم کا نام لیا۔ کہ ان کی زبانی معلوم ہوا ہے۔ نہ معلوم خلیفہ صاحب نے کیا غیر محتاط باتیں میرے متعلق کم فہم آدمیوں کے حلقے میں کی ہیں۔ خلیفہ صاحب کو ذرا متنبہ کر دیجئے۔ ان کی دوست پروری پر شبہ نہیں مردم شناسی پر ضرور ہے۔ وہ خود بھی کج ہیں۔ اور کج فطرت لوگوں کی بدولت غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں۔ میری طرف سے ان کے گلے تو چ کر ان سے کہیئے۔ کہ برخوردار اب تم بڈھے ہو گئے ہو۔ اگرچہ بادہ فرح بخشی و باد گلبیز است۔ بہانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است۔ لوگ آج کل شر کا رستہ ڈھونڈ نکالنے میں بڑے طاق ہیں۔ بات پر یاں زبان کٹتی ہے۔ یونیورسٹی وغیرہ کے حالات جس قدر سنے اتنے ہی کم سمجھ میں آئے۔ بہر حال اب اُمید ہے۔ اصلاح کے رستے لوگوں کو سُوجھیں گے۔

خط لکھنے کا شوق آپ کو مدت سے کم ہو رہا ہے۔ مجھے ابھی باقی ہے۔ لیکن تحریک ہونی چاہیئے۔ رسالک اس معاملے میں وفاکش ہیں۔

خط لکھتے ہی رہتے ہیں۔ جن سے یہاں کی محفلوں کا پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔
انہیں جواب میں ضرور خط لکھتا ہوں۔ اگر آپ بھی کبھی کبھی کرم فرمائی
کریں، تو مجھے دُور افتادگی کا احساس کم ہوگا۔ بہ ہر حال آپ کی خیریت
کی خبر ہمیشہ طمانیت کا باعث ہوگی۔ حجاب سے میرا سلام کہیئے، اور
یاسمین کو میری جانب سے پیار۔ میرا پتہ نیویارک میں مختصراً یہ ہے۔

PAKISTAN House New York U.S.A.

ہوائی اڈے سے خط بھیجنا مہنگا پڑتا ہے۔ لیکن نہ اتنا کہ خط وکتابت
کے مانع ہو۔ والسلام

آپ کا مری کا پتہ معلوم نہ ہو سکا۔ لاہور کے پتہ پر خط بھیج
رہا ہوں۔ سنتا ہے کہ آپ عنقریب آنے والے ہیں۔

خاکسار

بخاری

۴

نیویارک
۲۵ ؍ اگست ۵۸ء

ڈیئر امتیاز!

تمہارا خط ملا۔ تمہاری پریشانیوں کا حال پڑھ کر دل کو بہت صدمہ

ہوا۔ یہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ تم جیسا انسان جس نے عمر بھر زندگی کے لطیفے اور مرنجاں مرنج پہلو ہی سے سرد کار رکھا۔ اور خاندان میں اپنے فرائض کو تند دہی سے سرانجام دیا۔ زمانے کے ہاتھوں یوں تکلیف اٹھائے۔ مجھ جیسا آدمی تو معلوم ہوتا ہے۔ اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً کسی کی مخاصمت یا ایذا رسانی کا ہدف بنے۔ لیکن تمہارے حسنِ طبیعت اور حسنِ اخلاق کا صلہ یہ ہرگز نہیں کہ لوگ تمہاری مخالفت پر آمادہ ہوں۔ یا تم سے انصاف کرنے میں متامل ہوں۔

یہ دَور ایسا ہے کہ اس میں دوستیوں اور رفاقتوں کے خون ہوتے ہی رہیں گے۔ شاید لوگ اس زمانے میں کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہیں۔ جس کی وجہ سے حرص و آز و بے مروتی سب باتوں پر غالب ہے۔ خدا انہیں تقویت دے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنے علو طبیعت اور اپنی بیوی اور بچی کی محبت اور رفاقت کی بدولت اپنی پریشانیوں پر غلبہ پاؤ گے۔ میں تمہارا ایک حقیر دوست ہوں۔ اور بے بس اور دور افتادہ لیکن اگر میری محبت تمہارے کسی کام آسکتی ہے۔ تو یقین جانو کہ وہ تم سے نہ کبھی دریغ رکھ سکتی ہے۔ نہ رکھ سکتا ہوں۔ میں ایسا شخص نہیں۔ جسے باآسانی سلیم الطبع کہا جا سکے۔ میری کمزوریاں تم پر اور سب دوستوں پر واضح ہیں۔ کیوں کہ تم سب کو ان سے پالا پڑ چکا ہے۔ اور تم سب نے وقتاً فوقتاً بلکہ اکثر انہیں

درگذر کیا ہے۔ لیکن میرا عمر بھر کا تجربہ اور خود میرا رجحانِ طبیعت یہ کہتا ہے۔ کہ دنیا میں دوستی سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔ اس لئے کوئی دوست چھن جائے۔ یا دُور ہو جائے۔ تو میں کئی راتیں اور کئی دن اس کا ماتم کرتا ہوں۔ افسوس کہ ہمارے دوست کم رہ گئے ہیں۔ تقریباً ہر ایک تفکرات یا ہوس کی گرداب میں آ چکا ہے۔ اور نکل نہیں سکتا۔ تاہم سالک جیسے لوگ مغتنماتِ روزگار میں سے ہیں۔ وہ تمہارے پاس نہ آئیں۔ تو تم ہی چلے جایا کرو۔ اس سے غم غلط ہو گا۔ اور جو مصائب پہاڑ سے نظر آتے ہیں۔ وہ اتنے صبر شکن معلوم نہ ہوں گے۔ فیض اور ایلس بھی واپس آ چکے ہوں گے۔ ملنسار لوگ ہیں۔ اور ان کی محبت بھی مرہم کا کام دے گی۔ سب سے بڑھ کر خدا نے تمہیں نیک طینت اور رفاقت فہم بیوی عطا کی ہے۔ اور ایک بچی جو یقیناً تمہاری بہترین اُمیدوں کا مجسمہ ہو گی۔ ان کی صحبت میں تفکرات کو بھول جاؤ۔ اگر ہمیشہ کے لئے نہیں تو کم ازکم ہر روز چند گھنٹوں کے لئے ہی سہی۔ جو لوگ تمہیں اطمینان سے محروم کر رہے ہیں۔ غور سے دیکھیں۔ تو ان کو خود تم سے آدھا اطمینان بھی نصیب نہیں۔

کتابیں میں نے کتب فروش کی دوکان پر منتخب کی تھیں۔ اور ان ہی سے کہا تھا کہ پارسل بنا کر تمہارے پتہ پر بھیج دیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کے ساتھ تمہیں کوئی خط یا پرزہ نہ ملا۔ بلیوں کی

کتاب میں نے اس خیال سے بھیجی تھی کہ شاید اس کا اُردو میں ترجمہ ہو سکے۔ اور ان بیبیوں کے کام آئے۔ جو بلیاں پالتی ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ خود حجاب ہی سب سے پہلے اس کی قدر داں ہو گی۔

اس سال کے آخر تک یو۔ این۔ او سے کنارہ کش ہونے کا ارادہ ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی نے پروفیسری کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک آدھ سبیل کچھ اور کرنی پڑے گی۔ ورنہ آمدنی میں جو کمی واقع ہو گی۔ اس کا سہارنا مشکل ہو گا۔ دو گھر چلانے پڑتے ہیں۔ ایک یہاں، ایک زبیدہ کے لئے کراچی میں۔ پھر کچھ ڈاکٹروں کی نذر بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور یہاں کے ڈاکٹر قابل سہی۔ لیکن دُنیا بھر سے زیادہ فیس لیتے ہیں۔ سالک صاحب کا خط آیا۔ اُنہوں نے اطمینانِ قلب کے لئے ترجمے کی راہ نکال لی ہے۔ اور دھڑا دھڑ ترجمے کر رہے ہیں۔ از بس غنیمت ہے۔ ترجموں کے علاوہ موت کا خوف ان پر ضرورت سے زیادہ طاری رہتا ہے۔ شاید انہیں یہ احساس ہے۔ کہ زندگی سے جو کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ نہ ہوا۔ حالانکہ کم از کم ان کو یہ شکایت نہ ہونی چاہیئے۔ آپ اور وہ دونوں ہمیشہ دوستوں اور سب دوستوں اور سب لوگوں کے منظورِ نظر رہے ہیں۔ یہ بھی کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ خدا آپ کو ہمیشہ ہمیشہ عزت و آبرو سے رکھے۔ کولمبیا میں مجھے اُردو زبان پر بھی لیکچر دینے ہیں۔ اس کے لئے میرے پاس کوئی کتاب یہاں نہیں۔ ضرورت پیش آئی تو

کسی نکتہ رس دوست کی معرفت ایسی کتابیں فی الفور جمع کروں۔ تاکہ دسمبر جنوری تک لیکچر تیار کر سکوں۔ صوفی تبسم ذہن میں آئے۔ انہوں نے فہرست تو مرتب کی۔ لیکن کتابیں بھجوانے کا کام مستعدی سے انجام نہ دے سکے۔ چنانچہ معاملہ کہیں ان کے اور بک سیلر کے مابین لٹک رہا ہے۔ آپ مدد کر سکیں اور اس کے لئے فرصت نکال سکیں تو کیا کہنے۔ میں نے تو دانستہ آپ کو تکلیف نہ دی تھی۔ کہ آپ اپنے قصوں میں گرفتار ہوں گے۔ اُردو افسانوں کا ترجمہ میں پھر بھی کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ یہ میری زندگی کی بہت بڑی آرزو ہے۔ عبدالحکیم صاحب سے اُمید نہیں کہ وہ میری مدد کریں گے۔ آپ اور فیض صاحب خود ہی افسانوں کا انتخاب کر لیجئے۔ حجاب کو میرا سلام اور یاسمین کو میرا پیام پہنچے۔ خط ضرور لکھتے رہا کیجئے۔

آپکا خادم

بخاری

۵

پاکستان ہاؤس نیویارک

۱۲۔ اگست

ڈیئر امتیاز!

تنہائیوں میں آپ اکثر یاد آئے۔ اور اس ایک سال کے عرصہ میں
کئی تنہائیاں مجھ پر گزریں۔ لیکن پے در پے معروفیتوں اور بیماریوں
نے کئی شگفتہ ارادوں کو پژمردہ کر دیا۔ کبھی خط لکھنے کی نیت باندھی،
تو شروع کرنے کی نوبت نہ آئی۔ حال میں سالک صاحب کے دو تین
خط آئے۔ ن۔م۔ راشد نے کچھ ادبی لطیفے لکھ بھیجے۔ اور اُردو
کتابوں کا ایک بنڈل۔ ایسے ہی دو تین واقعات سے طبیعت کا رخ
ٹوٹا۔ پرسوں آپ شدت سے یاد آئے۔ ایک کتب فروش کے ہاں
دل پشاوری کر رہا تھا۔ ملک راج انند کی ایک تازہ تصنیف "انڈین
تھیٹر" نظر آئی۔ بڑے طمطراق اور شان و شوکت سے چھپی ہے۔ لیکن
کتاب مختصر ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے پڑھ لی۔ جہل اور متعصب کا
مقویہ ہے۔ آندھرا تھیٹر اور بنگالی تھیٹر کو بہت سراہا ہے۔ ہندوستانی
تھیٹر کے تحت میں بہت کچھ زہر اُگلا ہے۔ خواجہ احمد عباس
اور پرتھوی راج کپور کو تھیٹر کا امام قرار دیا ہے۔ آغا حشر کے بارے
میں ازحد بخل، بغض اور پستی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کا ذکر یوں کیا
ہے کہ A Hack writer called Agha
Hashr a third rate Poetaster.
اور اسی طرح کی خرافات بک کر انہیں تین چار سطروں میں گڑھا
دیا ہے۔ پڑھ کر تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اے کاش آپ
اُردو تھیٹر پر اب بھی ایک کتاب لکھ ڈالیں۔ جو مصالحہ آپ کے پاس

ہے اور جتنی جوانی آپ نے تھیٹر پر چھڑکی ہے۔ وہ کسی اور کو ابدالاباد تک نصیب نہ ہو گی۔ کتاب اُردو انگریزی دونوں میں چھپنی چاہیئے۔ بمبئی پارک اور لاہور میں جو بُعد ہے۔ وہ نہ معلوم کب تک رہے گا۔ لیکن مجھے اس کام میں شریک کرنے کا ارادہ ہو تو یہ بُعد پھاندا جا سکتا ہے۔ جب تک زندگی ہے کوئی کام محال نہیں۔ البتہ موت رستے میں حائل ہو گئی تو اسے کوئی نہ پھاند سکے گا۔ لیکن ایک شرکت کا کام مشکل معلوم ہوتا ہو۔ تو آپ کم از کم خود ہی اللہ کا نام لے کر اُردو کی کتاب لکھ ڈالئے۔ آپ کا وسیع تجربہ اور علم تو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ ہو جائے گا۔ ورنہ تھیٹر کا یہ دَور ہمیشہ کے لئے یاد سے محو ہو جائے گا۔ ایسے آثار بھی باقی نہ رہیں گے کہ ہزار سال کے بعد موہنجو داڑو کی شکل میں دریافت ہو سکیں۔

لاہور کے حالات سے محض بے خبر ہوں۔ البتہ سالکؔ صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ ادبی گہما گہمی اب نہیں۔ نہ معلوم سالک صاحب ہجرت کے بعد لاہور سے بے تعلق ہو گئے ہیں۔ یا دورِ زمانہ نے رنگینی کو ان کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا ہے۔ بہر حال لاہور ہم سب کا معشوق ہے۔ اور مرتے دم تک معشوق رہے گا۔ ہماری جوانی اس سے ہے۔ اور کبھی کبھی شباب کے غرّے میں یہ بھی گمان ہوتا تھا۔ کہ اس کی جوانی ہم سے ہے۔ دیارِ محبوب کی ہر خبر طبیعت میں ایک طلاطم پیدا کر دیتی ہے۔ اور کوئی خبر نہ آئے تو زندگی ایک مسلسل فراق معلوم

ہوتی ہے۔ ہندوستان سے جو تناؤ ہے۔ اس کی اطلاع ہمیں محض سرکاری ذرائع سے پہنچتی ہے۔ اور تفصیلات کے لئے طبیعت تشنہ رہتی ہے۔ اور اکثر متفکر، نہ معلوم نہرو صاحب کے سر میں کیا سودا سمایا ہے۔ کہ حق و ناحق میں انہیں تمیز باقی نہیں رہی۔ شاید آئندہ الیکشن کی ہوس نے عمل و فکر میں کچھ کجی پیدا کر دی ہے۔ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹنڈن نے اِن کے ڈنڈاں کر رکھا ہے۔ خدا ہم لوگوں کا حامی و ناصر ہو۔ یہاں کے کالم نویس اور سیاست دان بیش از بیش پاکستان کی ہمت اور حق بینی کے معترف ہوتے جاتے ہیں۔ اور پاکستان لیڈروں کے تدبر اور تن دہی کے قائل۔ لیکن کوئی خدا کا بندہ ہندوستان کے کان نہیں مروڑتا۔ سب اپنا اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔

بڑے بڑے فلم دیکھنے میں آئے اور اکثر غالباً نہ آپ کو تھیٹر اور سینما میں اپنے ساتھ لے گیا۔ اور آپ سے نیا دلہ خیالات کرتا رہا۔ لیکن طبیعت کو اس سے کیا تسکین ہوتی۔ ہندوستان کے متعلق ایک بڑے ٹھاٹھ کا فلم "The River" ستمبر میں یہاں آنے والا ہے۔ "Jean Renoir" نے اسے ڈائریکٹ کیا ہے۔ ہندوستان کی سرزمین میں بنا ہے۔ اور ایکٹر امریکن انگریز اور ہندوستانی ہیں۔ زوروں کی پبلسٹی ہو رہی ہے۔ پاکستان کے "دستاویزی" فلم بہت تھوڑے ہیں۔ اور اچھے نہیں۔ اس بارے میں بہت کچھ کہہ سکتا

ہوں۔ لیکن پھر کبھی لکھوں گا۔ قلم زنگ آلودہ ہے۔ آپ کی جانب سے کوئی خط آئے۔ تو طبیعت پھر شگفتہ ہو جائے گی۔ حجاب کو میرا سلامِ شوق، یاسمین کو پیار۔

خیرد بہبود کا طالب خاکسار
بخاری

۶

نیویارک
۱۱ مئی ۵۸ء

ڈیئر امتیاز!

واپس پہنچنے کے چند دن بعد آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ جو ہر چند کہ جواب طلب نہ تھا۔ تاہم تقاضائے عشق جواب کا منتظر رہا۔ لیکن اب تک آپ کے خط سے محروم ہوں۔ خیال تھا کہ آپ اپنے ادبی عزائم کے متعلق مزید کچھ بتائیں گے۔ کیا ادھیڑا کیا بُنا۔ دو ایک کتابیں بھی آپ کو بھجوائی تھیں۔ بہت اچھی نہ تھیں۔ لیکن میری وفا شعاری کا ثبوت ضرور ان سے ملا ہو گا۔ افسوس کہ کتابیں مجبوراً سمندر کی ڈاک سے بھجوانی پڑتی ہیں۔ ہوائی ڈاک سے بھجوایئے تو پانچ ڈالر کی کتاب پر کم و بیش اتنا ہی خرچ آئے۔ جیب اجازت دے تو عقل اجازت

نہیں دیتی۔ میتھ (MYTH) کے آغاز کے بارے میں میں نے اپنے
ماہر دوستوں سے کہا۔ کہ بھائی دو صفحے لکھ دو۔ وہ ضرورت سے زیادہ
ماہر نکلے۔ سب کہتے ہیں کہ اس کے متعلق تو کئی نظریئے ہیں۔ میں فلاں
کا قائل ہوں۔ اور فلاں تو اس بارے میں بدمعاش آدمی ہے۔ وغیرہ
وغیرہ۔ آخر فیصلہ کیا ہے کہ ان سے پوچھ پاچھ کے میں خود ہی کچھ
گھسیٹ لوں گا۔ اگلے ہفتے آپ کو ایک کتاب (بذریعہ سمندری ڈاک)
انشاءاللہ بھجواؤں گا۔ حال ہی میں نکلی ہے۔ اس کا نام ہے "نظرِ بد"
یعنی "EVIL EYE" ایک ماہرِ چشم ڈاکٹر نے لکھی ہے۔ اور اس کی
آنکھ اور نظر کے متعلق جو جو توہمات لوگوں میں مروج ہیں۔ انہیں یکجا کر
دیا ہے۔ "نظرِ بد" بھی ان میں سے ایک ہے۔ اور اس کی تاریخ بھی
مختصر طور پر لکھ دی ہے۔ کئی باتیں طبی نقطہ نظر سے مفید اور انوکھی
ہیں۔ مثلاً عام خیال ہے۔ کہ بہت پڑھنے سے یا باریک لکھائی پڑھنے
سے نظر پر زور پڑتا ہے۔ اور آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں مصنف نے
صاف صاف بیان کیا ہے۔ کہ یہ غلط ہے۔ اور اس 'وہم' کا ڈاکٹری
میں کوئی جواز نہیں ملتا۔ کتاب کا ثانوی عنوان ہے۔ STUDIES
IN THE FOLK LORE OF VISION ———
میرا خیال ہے۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ یا خلاصہ بے حد مفید
ثابت ہوگا۔ باقی کتاب پہنچنے پر آپ خود اندازہ لگا لیجئے۔

مجھے اس سال موسمِ خزاں میں ایک یونیورسٹی میں چند لیکچر اردو زبان و

ادب کی تاریخ پر دیتے ہیں۔ صوفی تبسم سے بوساطت ایلس فیض (کیونکہ صوفی صاحب تو خود گل محمد قسم کے انسان ہیں) مناسب مفید کتابوں کی (انگریزی اردو دونوں) فہرست منگوا بھیجی ہے۔ وہ آنے پر دیکھوں گا۔ کہ کون سی کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔ جو نہ ہوں گی وہ پاکستان سے منگواؤں گا۔ اور غالباً اس میں آپ کی دستگیری کی ضرورت بھی ہو گی۔ اُمید ہے دریغ نہ رکھیں گے۔ کہیئے وہ افسانوں کے ترجموں کا منصوبہ جو آپ کے مکان پر بعد طعام باندھا گیا اور جس میں مجلسِ اقبال کو عموماً اور آپ کو خصوصاً پہلی کرنی تھی۔ اس کا کیا ہوا۔ لاہور سے چلا آیا۔ تو اس کے بعد صدائے بر نخاست۔ کچھ اس پر بھی روشنی ڈالیئے۔ میں بےچینی سے اس کا منتظر ہوں۔

چند ہفتوں کی بات ہے۔ میں ایک لنچ کے موقعے پر برسرِ عام یک لخت بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد دو ایک مرتبہ پھر یہی واقع پیش آیا۔ اچھے اچھے ڈاکٹروں کو دکھایا۔ خاطر خواہ علاج جاری ہے۔ لیکن کچھ ٹھیک تشخیص نہیں ہو سکی۔ کیوں کہ دل وغیرہ بالکل درست ہیں۔ کام اور تفکرات کی کثرت کو مجرم ٹھہراتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہملٹ کی بے ہوشی کے اسباب مفسرین میں متنازعہ فیہ ہیں۔ ہماری بے ہوشی بھی آنے والی نسلوں کے لئے مبہم رہے گی۔ لیکن حد ہو گئی۔ میں سمجھتا تھا کہ "غش کھانا" وغیرہ داستانوں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ اس رسم کے زندہ رکھنے والے ابھی باقی

ہیں۔

سالک، فیض، صوفی ان تینوں کو جب ملیں میرا سلام کہیے گا۔ چغتائی صاحب کے ہمکلام ہونے کا موقعہ نکلے تو ان سے کہیے کہ وہ مجھے فوراً خط لکھیں۔ کہ ان کے یہاں آنے میں کیا رکاوٹ پیش آئی۔ خلیفہ صاحب ملیں تو ا۔ ن۔ گ۔ ل۔ ی کر دیجیے گا۔ ہاں بھائی آغا بشیر اور رفیع پیر کو بھی سلام کہیے گا۔ حجاب، یاسمین کو میرا سلام و پیار۔

خاکسار

بخاری

بنام عبدالرحمٰن چغتائی

۱

محترم بندہ جناب چغتائی صاحب

سلام مسنون!

سر عبدالقادر (اور بعد ازاں لیڈی عبدالقادر) نے بہت تاکید کے ساتھ "کاروان" منگوا بھیجا ہے۔ اور مجھے ہدایت کی ہے۔ کہ میں آپ سے درخواست کروں۔ کیا آپ انہیں "کاروان" کی ایک جِلد بہت جلد بھجوا سکتے ہیں۔

خاکسار

بخاری

اور اگر ناگوار نہ ہو تو "مرقع چغتائی" کی کوئی بچی کھچی جلد مجھے اپنے لئے بھی چاہیئے۔ کیا کہیں سے مل جائے گی؟

۲

۱۳، تغلق روڈ، نئی دہلی

۱۱۔ اکتوبر

مشفقی و مکرمی چغتائی صاحب،

سلام مسنون! افسوس کہ لاہور میں آپ کی ملاقات سے محروم رہا۔ معلوم ہوا آپ شکار کو تشریف لے گئے تھے۔

واپسی پر ایک خط ملا۔ جو بعینہٖ ارسال خدمت ہے۔ خط کے دو حصے ہیں، ایک آپ کے نام۔ دونوں بھیج رہا ہوں۔ مطلب آپ پر خود ہی ظاہر ہو جائے گا۔ مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ لکھنے والے یعنی۔۔۔۔ "EVELY WOOD" صاحب آج کل واٹر تھامپسن کمپنی میں ملازم ہیں۔ جو "ADVERTISING" کمپنی ہے۔ اور آرٹ کے نقطۂ نظر سے اپنی پبلسٹی کو ہر وقت دلکش بنانے کے درپے رہتی ہے ——
WOOD صاحب بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ لٹریچر اور مصوری دونوں کے طالب علم اور نقاد ہیں۔ اور آپ کے معترف اور مداح معلوم ہوتے ہیں۔ آج کل کلکتے میں ہیں۔ لیکن اس سے پہلے سالہا سال بمبئی میں تھے۔ یہیں ان کا روزگار تھا۔ علاوہ بریں بمبئی کے اہلِ فن میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اکثر تصویروں کی نمائش میں کھنڈال والا، مسز دادیا اور اس قسم کے لوگوں کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ جو جواب آپ اِن

کو بھیجنا چاہیں۔ وہ خواہِ براہِ راست ان کو بھیج دیں یا میری معرفت۔

بندۂ خاکسار

بخاری

۳

۱۴ ارتغلق روڈ۔ نئی دہلی

۱۹ اکتوبر

مشفق چغتائی صاحب

سلام مسنون! گرامی نامے کا شکریہ۔ آپ کے خط آنے پر میں نے گوڈ صاحب کو لکھ دیا ہے۔ مزید گفت و شنید وہ غالباً براہِ راست آپ سے کریں گے۔ کوئی خدمت میرے لائق ہو، تو یہ خیر خواہ دریغ کوتاہی نہ کرے گا۔ ایچنگ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کے نقش کیے ہوئے لیمپ شیڈ اب تک میرے مکان بلکہ میری زندگی کی زینت ہیں اور میں ان کا ذکر ہمیشہ فخریہ کرتا ہوں۔ اور آپ کو دعا دیتا ہوں۔ فلم لائٹیں کا معاملہ میں نے سُنا بہت ٹیڑھا اور دقت طلب ہے۔ ملاقات ہوئی تو تفصیلاً عرض کرتا۔

خاکسار

بخاری

۴

۲۴ رجیبل روڈ
۱۸ راگست ۱۹۳۷ء

مشفق من جناب چغتائی صاحب

سلام مسنون! بیگم سراج الدین صاحبہ کا جواب آگیا ہے۔ ان کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

"آپ کے خط کا شکریہ۔ یہ آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔ کہ آپ مجھ پر اس قدر اعتماد رکھتے ہیں۔ چغتائی صاحب سے کہہ دیجئے۔ کہ میں ان کی بھی بے حد ممنون ہوں۔ کہ وہ باوجود اس امر کے کہ فن سے متعلق میرا علم بہت محدود ہے۔ وہ اپنی کتاب کی تمہید مجھ سے لکھوانا چاہتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو بہت مفتخر سمجھتی ہوں۔ اور کوشش کروں گی۔ کہ ان کے کمال کی کما حقہ داد تحسین دے سکوں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ زیادہ سے زیادہ کتنے دن کی مہلت مجھے دی جائے گی۔ علاوہ براں مجھے "مرقع" کی جلد بھجوا دیجئے۔ کیوں کہ میرا نسخہ میرے پاس موجود نہیں۔

آپ ان کو نئی ایڈیشن مرقع کی (یعنی جس شکل میں اب آپ اسے شائع کرنا چاہتے ہیں) بھجوا دیجئے۔ عبدالرحیم صاحب وہ مجموعہ میرے پاس لائے تھے۔ جس میں صفحے دیباچے کے خالی چھٹے ہوئے

تھے۔ وہ بیگم سراج الدین صاحب، کو بھجوا دیجئے۔ اس کے علاوہ میرا مشورہ یہ ہے۔ کہ پہلی ایڈیشن کے دیباچے (یعنی کزنز صاحب اور ڈاکٹر اقبال کے مقالے) بھی انہیں بھیج دیجئے۔ تاکہ وہ ان کے پیش نظر رہیں کہ پہلے کیا کچھ کہا جا چکا ہے۔ اگر اس دوران میں آپ کے مرقع پر اخبارات یا رسائل میں کہیں کوئی ریویو چھپا ہو اور اس کی نقل آپ کے پاس موجود ہو تو وہ بھی بھیج دیجئے۔ ایسی چیزوں سے لیاؔ ان کو مدد ملے گی۔

دیگر سوالات کا جواب یا براہ راست آپ ان کو بھیج دیجئے یا جیسا مجھے حکم کریں۔ میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔ (ان کا پتہ گرینڈ ہوٹل شملہ ہے) افسوس ہے کہ آج شام آپ کھانے پر نہ آ سکے۔ متعدد دوستوں کی ملاقات تھی۔ لیکن جس کسی نے مجھ سے تقریب پوچھی۔ میں نے یہی کہا کہ "نقش چغتائی" کے شائع ہونے پر مسرت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ خیال تھا کہ آپ آئیں گے۔ تو آپ کو اصحاب کی طرف سے مبارک باد پیش کی جائے گی۔ خیر میری ایک شکایت آپ کے خلاف رہی۔ آپ اسے یاد رکھیئے۔ اگر آپ اپنے بھائی کی روانگی کا عذر پیش نہ کر چکے ہوتے تو میں شام کو باوجود آپ کے انکار کے خود آپ کو جا کر لے آتا۔ آپ کے نہ آنے سے دوست بہت مایوس ہوئے۔ ہم لوگ، یعنی خاکسار، سالک صاحب، حفیظ صاحب، ہری چند اختر صاحب، جگل صاحب، چراغ حسن حسرت

صاحب یعنی جو لوگ کل یہاں جمع تھے۔ وہ بقول آپ کے اس قابل تو نہیں کہ آپ کے آرٹ کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ لیکن آپ کے معتقد اور نیاز مند ضرور ہیں۔ ہمارا دل نہ توڑا کیجئے۔

آپ کا عزم انگلستان آپ کو مبارک ہو۔ میں نے بیگم سراج دین کو لکھ دیا تھا۔ کہ تمہید ایسی ہونی چاہیئے۔ کہ انگلستان میں نقاد ان کی بدولت چغتائی صاحب کے فن کی قدر کرنا سیکھیں، تاکہ آیندہ قدر دانی کے لئے راستہ صاف ہو۔ اب دیکھیں وہ کیا لکھتی ہیں۔ میں جواب کا منتظر رہوں گا۔

خاکسار

بخاری

۵

پاکستان ہاوس

۱۱۲ ایسٹ ۶۴ سٹریٹ نیویارک ۲۱ یو۔ ایس۔ اے

۲۵ر اپریل سنہ ۱۹۵۲ء

مشفقی جناب چغتائی صاحب

سلام مسنون! گرامی نامہ ملا۔ بھائی آپ کو ایسے سوالات پوچھنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔ جب تک میں یہاں ہوں۔ آپ یہ

سمجھئے کہ گویا آپ خود یہاں ہیں۔ جو خدمت میرے لائق ہے۔ بلا تامل
فرما دیا کیجئے۔ مسودہ ضرور بھیجئے۔ کم ازکم دیکھ تو لوں۔ اس ملک میں
کسی بھی مسودے کو خواہ وہ کتاب کا ہو، فلم کا یا ریڈیو کا یا ٹیلی ویژن
کا منزلِ مقصود تک پہنچانا شادی بیاہ یا حملہ یورپ کے انتظامات
سے کم نہیں ہوتا۔ ہزاروں (MIDDLE MEN) مشاطگی کے رشتے
روکے بیٹھے رہتے ہیں۔ جہاں کروڑوں کا ہیر پھیر ہو اور ہر دنگل میں
لاکھوں چھوٹے بڑے پہلوان زور آزمائی کر رہے ہوں۔ وہاں علم و
فن، علم و فن نہیں محض بزنس بن جاتا ہے۔ اور بزنس ہی
کے طریقوں پر چلتا ہے۔ تاہم آپ کی تجویز سے دماغ کو گدگدی
ہوئی۔ فلم کا مرکز نیویارک نہیں۔ کیلیفورنیا (یعنی ہالی وڈ) ہے۔
لیکن آپ مسودے تو بھیجئے۔ آنکھیں تو اس سے روشن ہوں۔ اس
کے بعد کاری گر لوگوں سے مشورہ کروں گا۔ اور نشیب و فراز سے
آپ کو مطلع کرتا رہوں گا۔

لاہور کا قیام از حد مختصر تھا۔ جہاں برسوں تک شباب رنگین
کیا ہو اور بڑھاپے کو بھی شباب بنایا ہو۔ وہاں دل کی تشنگی ہفتے
عشرے میں کیا بجھتی۔ لیکن قسمت پہ نازاں ہوا۔ کہ احباب کی صحبت
میں مسرت بلکہ نشے کی چند گھڑیاں تو گزار لیں۔ آپ سے سالہا سال
دل کا سودا رہا ہے۔ آپ کی محبت اور اخلاص برسوں سے دل کا
جزو تھیں۔ اور ہیں۔ للہ الحمد کہ آپ سے مل لیا اور آپ کی محبت اور

آپ کے کرم سے دوبارہ فیض یاب ہوا۔ واپس آکر امتیاز صاحب سے دو ایک چٹھیوں کا تبادلہ ہوا۔ اس کے بعد پنجاب میں فسادات نمودار ہوئے۔ تو سلسلہ قدرے رک گیا۔ وہ ملیں تو انہیں میرا سلام کہیئے گا۔ ہاشمی صاحب کا بھی ایک بہت محبت آمیز خط ملا۔ ابھی انہیں جواب نہیں لکھا۔ انہیں بھی میرا سلام پہنچا دیجیئے گا۔ اور کس کس کا ذکر کروں۔ پورے گلزار کو حسرت و عشق کا پیغام پہنچانا ہو تو کہاں تک ایک ایک پھول کا نام لوں۔ جو ملے ان سے کہیئے کہ غریب الوطن سلام کہتا ہے۔

جو پتہ اس خط کی پیشانی پر لکھا ہے اسے کہیں نوٹ کر لیجیئے۔ تاکہ آئندہ میں لکھنا بھول جاؤں۔ تو آپ کو تشویش نہ ہو۔

بندہ خاکسار

بخاری

۶

نیو یارک

۱۴ ۔ جنوری ۱۹۵۱ء

مشفقی جناب چغتائی صاحب

سلام مسنون! بھائی آپ کی شکایت بجا ہے۔ مجھ سے سہو ہوا۔ کہ

میں نے مسودے کی رسید آپ کو فوراً نہ بھیجی۔ آپ کو یقیناً تشویش رہی ہوگی۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ میں آخر اگست میں سخت بیمار پڑ گیا۔ دو ہفتے مسلسل بے ہوشی اور نیم بے ہوشی کے عالم میں رہا۔ آٹھ ہفتے ہسپتال میں اور اس کے بعد دو مہینے گھر پر صاحب فراش رہا۔ نقاہت کے عالم میں بھی کام سے مخلصی نہ ہوئی۔ لیکن مصروفیت کو ضروریات تک محدود رکھا۔ اس عرصے میں آپ کا مسودہ پہنچا۔ نہ معلوم ترجمے کے لئے ہمت کب نصیب ہو۔ کوشش کر رہا ہوں۔ کہ ہو سکے تو فروری مارچ میں کبھی پاکستان کا ایک چکر لگاؤں۔ اس شدید بیماری کے بعد اہل و عیال مجھ سے اور میں ان سے ملنے کو بے قرار ہوں۔ موت زیست کا کسی کو علم نہیں۔ اگر آنا نصیب میں ہوا تو خوب باتیں ہوں گی۔

آپ کے افسانے میں کئی جدتیں ہیں۔ جنہیں پڑھ کر بہت لطف آیا۔ اور ذہن کو گدگدی ہوئی۔ میں نے ایک دو فلم باز دوستوں سے ذکر کیا۔ اور اس کے چند حصے بھی ان کو سنائے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ کوئی EXPERIMENTAL GROUP اسے فلمائے۔ تو بہتر ہو۔ ورنہ تاجرانہ کمپنیوں کے بس کا تو یہ روگ معلوم نہیں ہوتا۔ آج کل فلم کمپنیاں عجب مشکل میں ہیں۔ آمدنی سرعت سے کم ہو رہی ہے بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اکثر ایکٹر فلموں کو چھوڑ کر ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ملازم ہو رہے ہیں۔ مزید سعی کروں گا اور آپ کو

اس سے آگاہ رکھوں گا۔ اس دوران میں کیا یہ بہتر نہ ہو کہ آپ سینیاریو کو بعینہٖ اسی طرح کسی اُردو ادبی رسالے میں چھپوا دیں؟ میں نے اکثر سینیاریو انگریزی رسالوں میں چھپتے دیکھے ہیں۔ اور لوگ انہیں شوق سے پڑھتے ہیں۔ اپنے ہموطنوں کے لئے یہ ایک نئی چیز ہو گی اور اس کا سہرا آپ کے سَر رہے گا۔ علاوہ بر آں کاپی رائیٹ بھی محفوظ ہو جائے گا۔ کہیئے کیا خیال ہے؟

خاکسار

بخاری

۷

۱۶ر جون ۱۹۵۳ء

مشفقی جناب چغتائی صاحب

سلام مسنون! آپ کی تصادیر کو یو۔ این میں آویزاں کرنے کی رسم چند دن ہوئے بڑے ٹھاٹھ سے ادا کی گئی۔ ہماری سفارت کا سب عملہ نیز وہ تمام پاکستانی جو یو۔ این میں ملازم ہیں۔ اور اخباروں کے نمائندے اور فوٹوگرافر وغیرہ سب جمع تھے۔ میں نے مناسب الفاظ میں آپ کی تعریف وتحسین سے اپنی زبان کو فخر بخشا۔ سیکرٹری جنرل نے جو خود آرٹ کے بڑے ماہر ہیں۔ آپ کے فن کو سراہا۔ تصویریں یو۔ این

کے ڈائننگ روم میں آویزاں کی گئی ہیں۔ اور یہ موقع اور محل ان کے لئے بہت تگ و دو کے بعد حاصل کیا گیا۔ کیونکہ ہر قوم کے نمائندے نے اپنے ملک کی ناموری کی خاطر کوئی نہ کوئی تحفہ بھیج رکھا ہے۔ اور ہر ایک کی خواہش اور کوشش یہی ہے۔ کہ سب سے نمایاں جگہ اس کو حاصل ہو۔ ڈائننگ روم پر سب کی نگاہ تھی۔ کیوں کہ یہاں نہ صرف ڈپلومیٹ اور سیاست دان ہر روز کھانا کھانے آتے ہیں، بلکہ سیاح بھی جن کی روزانہ تعداد دو تین ہزار سے کم نہیں۔ یہیں رجوع کرتے ہیں۔ جس دیوار پر تصاویر لٹکائی گئی ہیں۔ اس کا رنگ ہلکا سنہری سا ہے۔ کوشش کر رہا ہوں۔ کہ دیوار کا رنگ سیاہی مائل کر دیا جائے تاکہ آپ کی تصاویر کے رنگ خوب اچھی طرح اُبھر آئیں۔

آپ کی ٹکٹوں کے خاکے بھی پہنچے اور حسب ارشاد محکمہ متعلقہ کو بھجوا دیئے گئے ہیں۔ آپ کی تصاویر کی نمائش کا خیال ایک دن بھی میرے دل سے محو نہیں ہوا۔ لیکن کچھ تو ارشاد ہو کہ کیا حکومت پاکستان تصاویر کو لانے لے جانے اور دیگر اخرجات کی کفیل ہو گی۔ ذرا یہ اندازہ ہو جائے تو ہم اس بار کوشش بھی کریں۔ ورنہ وہ نہ ہو کہ مدعی سست اور گواہ چست۔

حسرت صاحب کی بیماری اور پھر صحت یابی کی خبر ملی۔ جذبات نے اس بارے میں عجیب نشیب و فراز دیکھا۔ اللہ کا شکر ہے۔ کہ اب وہ پھر جوان ہیں۔ بعض ذرائع سے معلوم ہوا۔ کہ کافی ہاؤس کی

رونق اب اِن سے پھر چوگنی ہو گئی ہے۔ خدا اِنہیں چہکتا اور مہکتا رکھے۔ سالک پھر لاہور آگئے۔ سب احباب کو مبارک ہو۔ البتہ سُنتا ہوں کہ ہاشمی صاحب کراچی ہجرت کر جائیں گے۔ امتیاز کو میرا بہت بہت سلام اور پیار۔ کبھی صوفی ملیں تو ان سے کہیئے کہ دو گھونٹ میری یاد میں بھی پی لیں۔ کمبخت کبھی خط بھی لکھنے کے روادار نہیں اور ہم ہیں کہ ہر راہگزر سے ان کا ذکر فخر سے کرتے ہیں۔ اور ان کی خیریت بے قرار ہو کر پوچھتے ہیں۔ خدا آپ سب کو خوش رکھے۔ اکتوبر میں وطن آنے کا ارادہ ہے۔ انشاءاللہ۔

خاکسار

بخاری

بنام حکیم یوسف حسن

محترم بندہ جناب حکیم صاحب!

سلام مسنون! آپ کا خط ملا۔ گویا یاد آوری سلام دوستائی کے سلسلے میں تھی۔ لیکن پھر بھی ممنون ہوں۔ ڈاکٹر اقبال کی ذرہ افزائی سے میرا حوصلہ تو بہت بڑا۔ لیکن نہ اتنا کہ مضمون کا وعدہ کر سکوں۔ جون کو میرا پہلا امتحان ہے۔ اِدھر موسم اس قدر خوشگوار ہو رہا ہے۔ کہ دریا کے کنارے اِس جھیل کے پاس جہاں بائیرن کے تخیل کو پرواز نصیب ہوئی تھی۔ کسی پھولوں سے لدے ہوئے سبزہ زار میں گھسنے اور بلند درختوں کے درمیان زندہ رہنے کو دل چاہتا ہے۔ اس دوگونہ عذاب کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ امتیاز جیسے عزیز دوستوں کی فرمائشوں کی تعمیل سے بھی معذور ہوں اور سالک جیسے معتقد شفیق کے خط کی رسید تک بھیجنے سے قاصر، سزا بھگت رہا ہوں، عرصہ ہوا دوستوں نے خط لکھنا بند کر دیا۔

سوچتا ہوں۔ تعطیلات شروع ہو جائیں۔ وہ خط لکھوں گا۔ وہ خط لکھوں گا۔ دوستوں میں کھلبلی مچ جائے۔ اس ہیجان کے دوران میں ہو سکا۔

تو نیرنگِ خیال کی خدمت بھی کروں گا۔

رسالہ دیکھ کر آنکھیں روشن ہو گئیں۔ پھر بھی میری کج بیں طبیعت کو اصلاح کی گنجائش نظر آئی۔ لیکن اس کا الزام آپ کو نہیں دیتا۔ ہندوستان کی بدنصیبی ہے اور کیا کہوں۔ مجھے ذرا لاہور واپس آلینے دیجیے۔

خاکسار

بخاری، عمانویل کالج کیمبرج

بنام کلیم الرحمٰن

نیو یارک

۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء

عزیز مشفق

سلام مسنون! گرامی نامہ ملا۔ آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر۔ کام۔۔۔
دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال ایسی مشقت نہیں کہ ابھی سے کانوں پر
ہاتھ دھر لوں۔ "I BELIVE THIS" یا اسی قسم کے عنوان سے
بو قلموں کتابیں اور مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ نہ معلوم آپ کے زیر
نظر کون سی کتب اس نام کی ہیں۔ اس لئے نیویارک کے دفتر سے
کتابیں پہونچیں گی۔ تو پورا حال معلوم ہوگا۔

آپ کا نام جب زبان پر آتا ہے۔ تو آپ کے والد مرحوم (منشی
خلیل الرحمٰن) کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ میں ان کا خادم اور معتقد اور
ان کے دستر خوان علم و دانش کا خوشہ چین تھا۔ آپ نے جس خاندان
میں تربیت پائی ہے۔ وہ آپ کے حُسنِ اخلاق اور علو فطرت کا ہمیشہ

ہمیشہ کے لئے کفیل ہے اور رہے گا۔ اس کے علاوہ آپ خود بھی ماشاءاللہ روشن دماغ اور شائستگی کا نمونہ ہیں۔ اس لئے سمتھ صاحب یا کسی اور صاحب کے سامنے آپ سے اپنائیت جتا کر مجھے فخر ہوتا ہے۔ خدا آپ کی زندگی ہر طرح کامران کرے۔

آپکی بہبود کا طالب
خاکسار بخاری

بنام حامد علی خاں

۱

مشفقی حامد علی خاں صاحب

سلام مسنون!

مجھ سے سہو ہوا کہ میں نے آپ کے خطوط نیز آپ کے مسودوں کی رسید آپ کو نہ بھیجی۔ مسودے بہ مطابق فہرست مجھے مل چکے ہیں اور ان سب پر میں نے نظرِ ثانی کر لی ہے۔ کسی مضمون کو مختصر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ گو ایک آدھ مضمون پیمانے سے ذرا طویل ہے۔ لیکن نہ اتنا کہ قینچی استعمال کئے بغیر چارہ نہ ہو۔ البتہ ترجموں میں بہت سی جگہ ثقالت تھی۔ جو اکثر ترجموں میں پائی جاتی ہے۔ اسے میں نے دُور کرنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ بسا اوقات تو مطلب ہی فوت ہو جاتا تھا۔

تمہید تقریباً تیار ہے۔ محض انتظار صرف اس بات کا ہے۔ جو آپ نے مزید مسالحہ بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ اسے بھی دیکھ لوں تو ترتیب

کے بارے میں میرا مشورہ یہ ہے کہ پہلا حصہ پاکستانی اور دوسرا امریکن ہونا چاہیئے۔ پاکستانی حصے میں پہلا مضمون قائدِاعظم اور امریکن حصے میں پہلا مضمون آیزن ہاور کا۔ باقی مضامین کی ترتیب ابجد کے لحاظ سے تاکہ کسی کو شکایت نہ ہو۔ کہ شمع پہلے میرے سامنے کیوں آئی۔ کیا آپ کو اس سے اتفاق ہے؟

ایک بات اور ذہن میں آئی۔ وہ یہ کہ جہاں جہاں (خواہ امریکن حصے میں خواہ پاکستانی حصے میں) مضمون انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ وہاں مضمون کے آخر میں قوسین کے اندر بخطِ خفی لکھ دیا جائے ــــ (انگریزی سے ترجمہ) تاکہ لوگ طرزِ تحریر کی اجنبیت کو خود صاحبِ مضمون کی اختراع نہ سمجھیں۔

مضامین نگار میں خود شامل ہونا مناسب نہیں سمجھتا۔ میرے لئے تمہید نگار ہونا ہی مناسب ہے اور بس۔ جواب کا منتظر۔

خاکسار

بخاری

کیا تمہید اور مضامین ابھی بغیر مزید مسالے کے انتظار کے بھیج دوں۔ تاکہ کتابت شروع ہو جائے؟

۲

نیویارک
۹ ستمبر ۱۹۵۱ء

مشفقی سلام مسنون!

ابھی ابھی آپ کا رجسٹری خط مورخہ ۲ ستمبر معہ بقیہ مسودات کے ملا۔

مضامین کی ترتیب کے متعلق میں حال ہی میں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ لہٰذا اس کے متعلق جو میرا مشورہ ہے۔ اس کے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ اُمید ہے آپ اس سے متفق ہوں گے۔

اب اگلی ڈاک سے انشاءاللہ دیباچہ ارسال خدمت کروں گا۔ اور مسودات بھی واپس بھیج دوں گا۔

خاکسار
بخاری

۳

مشفقی جناب حامد علی خان صاحب

سلام مسنون!

آج ہی ایک علیحدہ پیکیٹ بصیغہ رجسٹری آپ کے نام روانہ کر دیا گیا ہے۔ جس میں ۲۹ پاکستانیوں کے مسودے اور ۳۱ غیرپاکستانیوں کے شامل ہیں۔ نیز ۹ مضمونوں کی اصل انگریزی بھی اِسی پیکیٹ میں بھیج دی ہے۔ زحمت نہ ہو۔ تو رسید سے ضرور مطلع فرمایئے۔ میں بیں متفکر رہوں گا۔ دیباچے کا مسودہ منسلک ہذا ہے۔

ترجموں پر نیز دیگر مضامین پر میں نے حتیٰ الامکان بڑے غور سے نظرثانی کی ہے۔ مترجمین نے بعض حصے تو اپنی بساط سے بڑھ کر پائے۔ بعض جگہ ذرا گھاس کاٹی۔ مضامین یوں بھی ABSTRACT ہیں۔ اگر ان میں روانی اور سلامت بھی نہ ہو تو ان کا پڑھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا بالکل ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ بہرحال اب جس حالت میں بھی مسودات آپ تک پہنچ رہے ہیں، اُمید ہے آپ انہیں خاطرخواہ پائیں گے۔

تاخیر کے لئے میں آپ سے نادم ہوں۔ اوّل تو اسمبلی کی وجہ سے اور کچھ بیماری کے اُلجھاؤ سے فرصت کم رہی۔ پھر ایک طویل دیباچہ لکھا تھا۔ جسے حالات کے تغیر و تبدل نے بے کار بنا دیا۔ دوسری مرتبہ لکھا۔ تو پھر وہی کیفیت ہوئی۔ آخر تنگ آکر میں نے ایک مختصر سے دیباچے پر اکتفا کی ہے۔ آپ پڑھیں گے تو یقیناً اندازہ ہو جائے گا کہ میرے دیباچے کس وضع کے اور کس موضوع پہ تھے۔ اب ان کا موقع نہیں۔

مضامین کو ابجد کے لحاظ سے آپ خود ترتیب دے لیجئے۔ اور اپنے نظم ونسق کے مطابق کتابت موقع پر شروع کرا دیجئے۔ اب تو سب مرحلے طے ہو چکے۔ اب زیادہ تاخیر کے لئے کوئی جواز باقی نہیں رہا۔

جب میں نے سُنا کہ مکتبہ فرینکلن کے کرتا دھرتا آپ ہیں۔ تو بے حد مسرت ہوئی۔ آپ یقیناً اس کام کے لئے بہت موزوں ہیں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ہرگز مجھ سے دریغ نہ رکھیں۔ بلکہ خادم دیرینہ سمجھیں۔

خاکسار

بخاری

بنام عبدالقدیر رشک

عزیزی رشک سلمہ اللہ تعالیٰ

سلام مسنون!

آپ جانتے ہیں کہ اُردو ادب سے مجھے گہرا لگاؤ رہا ہے۔ خیال تھا کہ عمر اسی دشت کی سیاحی میں کٹے گی۔ لیکن شرافت ملاحظہ ہو کہ آنکھیں اُردو کتابیں دیکھنے کو ترس گئی ہیں۔ اوّل تو کتابیں ملتی ہی نہیں۔ مِل جائیں تو فرصت کہاں؟

بھلے آدمیوں کی طرح صبح صبح اُٹھتے ہیں۔ جلدی جلدی کھانا کھایا۔ اور کسی مار پر نکل گئے۔ شام کو واپس ہوٹل میں وارد ہوئے۔ شام کا رُوح افزا وقت ہو یا صبح کا سُہانہ سماں۔ طبیعت مچلتی ہوئی ہو یا افسردہ۔ ہم ہیں کہ ادائے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غنچہ دہنی سے باتیں کئے جا رہے ہیں۔ اس وقت اس شہر میں ہزاروں لوگ ہوں گے۔ جو دنیا وما فیہا سے بے خبر نیند کے مزے اُڑاتے ہوں گے۔ لیکن ہم کچھ ایسے برخوردار سعادت شعار واقع ہوئے ہیں کہ نہ نیند کی پرواہ۔ نہ صحت کا ہوش۔ خداوندانِ سیاست

کا حکم ہوتا ہے۔ کہ لعض یا نہیں کہے جاؤ۔ ایسے ماحول میں رہ کر اُردو ادب کو کیا کہوں۔

بات بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہ بنے

وقتاً فوقتاً اُردو ادب کی جو کتابیں نظر سے گذری ہیں۔ ان سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آج سے چند سال پہلے آپ کا اُردو ادب فرسودہ اور تقلیدی عناصر سے بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔ جس میں زندگی کے خدوخال نمایاں تھے۔ نہ ان صلاحیتوں کی ترجمانی جو تخیل کی آغوش میں نہیں۔ واقعات کی دُنیا میں پرورش پاتی ہیں۔ ان میں کئی اشعار نشتر پنہاں ہوں گے۔ اور کئی مصرعے دھڑکتے دل، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں حیات کے نشیب و فراز زندگی کی لغزش و استقامت اور انسانی منزل کی اُمید افزا کرنیں نہیں پھوٹتیں۔

جوں جوں زندگی کے تقاضے بدلتے گئے۔ ہمارے یہاں اکثر ادیبوں نے راہ گریز چھوڑ کر زندگی کو اپنایا۔ انہوں نے نرم و نازک زبان کے ذریعے ملکی ادب کو یہ آرٹ کی نئی قدروں سے دو چار کر دیا۔ حالانکہ پاکستان میں جس زمانے کے سائے میں اُردو ادب کی نشو و نما ہوئی۔ تاریخی اور سیاسی اعتبار سے ایک ایسے ابتلا کا زمانہ ہے۔ جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

رُومانیت کا دور گذر چکا۔ اب اُردو ادب زندگی کے تلخ حقائق اور شعوری محرکات کا ادراک رکھتا ہے۔ وہ انسانی عظمت اور انسانی کارناموں کے اظہار سے مملو ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دُنیا میں صحت مند ادب جب تک زندہ رہے گا۔ اس کا اہم ترین موضوع انسان ہی ہوگا۔

سماجی زندگی میں ادیب کی حیثیت سنگِ میل کی سی ہوتی ہے۔ معاشرہ کی سربلندی اور انسانی بہبود کے لئے افکار و تاثرات کو دوسرے افراد کی نسبت انسانی جذبات میں زیادہ آلہ کار ہونا چاہیئے۔ دورِ حاضر کے جن ادیبوں نے اُردو ادب میں زندگی کو اپنایا ہے۔ ملک کے دانش اور عوام ان کی خدمات سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔

ہم نہ رُوس کے ہنگامی ادب کی استوار کردہ عمارتوں کو مٹا دینا چاہتے ہیں اور نہ ایسے ادب کی پُشت پناہی کر سکتے ہیں۔ جو انسانی خدمت کے لئے زیادہ آلہ کار نہ ہو۔

کاش میرے پاس وقت ہوتا اور میں زیادہ کچھ آپ کو بتا سکتا لیکن عدیم الفرصتی کے ہاتھوں مجبور رہوں۔

خاکسار

بخاری

بیگم آمنہ مجید ملک کے نام

نیویارک

۱۵ ستمبر ۱۹۵۱ء

عزیز بہن!

وہ جسے فراغ کہتے ہیں ۔ نہ معلوم وہ دنیا سے اُٹھ گیا۔ یا دلوں پر نکان چھا گئی ۔ یا بڑھاپے نے سب کو آن لیا۔ بہرحال کچھ نہ کچھ انقلاب ضرور آ گیا ہے ۔ دفتری خط اور تار دھڑا دھڑ آتے ہیں کسی دوست کا خط نہیں آتا ۔ حال میں ریاض احمد صاحب (ریڈیو انجنیئر) آئے تو ان کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ مجید صاحب بہت عرصہ صاحبِ فراش رہے ۔ زمانے کا رنگ بدل نہ گیا ہوتا ۔ تو میں اتنا عرصہ ایک عزیز دوست کی علالت سے بے خبر نہ رہتا ۔ آپ ہی مجھے لکھ بھیجتیں کہ مجید صاحب بیمار رہیں ۔ دُعا کیجئے ۔ گناہ گار کی دُعا پر آپ تو کیا تکیہ کرتیں ۔ لیکن دوستوں، بھائیوں اور عقیدت مندوں کو اپنے دُکھ میں شریک کرنے کا بہانہ ہوتا ۔ کچھ عرصہ ہوا ۔ ایک

سُنا سا سے سرسری سُنا تھا۔ کہ مجید صاحب کو دِل کی تکلیف ہے۔ میں نے سُن کر حسبِ معمول ہنسی میں اُڑا دیا۔ اِن کا یہ وہم یارانِ سرپل کے حلقہ میں مدّت سے ایک لطیفہ بن چکا ہے۔ جنہوں نے خبر سُنائی وہ کچھ تفصیل بھی نہ بتا سکے۔ لیکن جب ریاض صاحب سے مفصل حال معلوم ہوا۔ تو بہت تشویش ہوئی۔ اور میں از حد اُداس ہو گیا۔ مجید صاحب کے کئی نقشے ذہن میں آتے ہیں اور آسکتے ہیں۔ ایک سے ایک بے ڈھنگا۔ لیکن یہ نقشہ ذہن میں نہیں آتا۔ کہ وہ بستر پر دراز ہوں۔ خدا ان کا حامی و ناصر ہو۔ اور خدا انہیں اور آپ کو ہر پریشانی سے مامون و مصئون رکھے۔ انہیں میرا بہت بہت پیار دیجئے۔ اے کاش میں ان کے پاس ہوتا۔ اور ان کا دل بہلا سکتا۔ ہو سکے تو ان کی خیریت کے متعلق دو لفظ لکھ بھیجئے تاکہ مجھے کم از کم اس قدر بُعد کا احساس نہ ہو۔ اور میں آپ کی تشویش میں آپ کا اور ان کا شریک ہو سکوں۔

میں کام کرتے کرتے تھک گیا۔ خیال تھا۔ کہ جس وقت ڈاکٹر گراہم کشمیر کی ابجد سیکھنے میں مصروف ہوں گے میں چپکے سے ایک مہینہ تعطیل کا کسی گوشۂ عافیت میں گذارنے چلا جاؤں گا۔ اور صحت کچھ رفو کردں گا۔ لیکن گراہم کے پہنچتے ہی وہ ہنگامہ برپا ہوا کہ میں کام سے ہل نہ سکا۔ اب نومبر میں پیرس پہنچنا ہے۔ وہاں اسمبلی تین چار مہینے رہے گی۔ درمیان میں کرسمس کا وقفہ بھی ہوگا۔

لیکن نہیں معلوم کتنا طویل یا کتنا مختصر۔ نا معلوم پاکستان کب آنا نصیب ہو۔ دِل سخت اُداس ہے۔

احباب کی یاد کبھی دِل سے محو نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی کوئی لطیفہ کانوں تک پہنچ جاتا ہے۔ تو طبیعت دن بھر کو رنگیں ہو جاتی ہے۔ ورنہ اکثر یہ کیفیت رہتی ہے۔ کہ اماں میرے بھیّا کو بھیجو ری کہ ساون آیا۔

ہم نے دوست خدا کے فضل سے ایسے پائے ہیں۔ کہ کہنے میں تو ان میں ہر ایک عالم اجل اور شاعر عزا اور جانے کیا کیا ہیں۔ لیکن خط لکھنا کسی کو نہیں آتا۔ کسی زمانے میں ایسے ہی بے بس لوگوں کے لیئے شاہ عالمی دروازے اور چاندنی چوک ، وغیرہ میں ایک کتاب "عاشقانہ خط و کتابت" کے نام سے بکا کرتی تھی۔ کئی عشق اِس کتاب کی بدولت پہنچے۔ اور سرخرو ہوئے۔ وہ کتاب بھی اب نایاب ہے۔

تمہیں کہو کہ گذارا صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خُو تو کیوں کر ہو

نہ معلوم خلیفہ حکیم صاحب کا کیا حال ہے۔ اور وہ کہاں ہیں۔ میں نے امریکہ میں کئی مرتبہ ان کا ڈنکا بجایا۔ اِس کی گونج ان تک بھی پہنچی ہو گی۔ لیکن ان کی جانب سے تالی تک نہ سُنائی دی۔ بیگم شاہد حامد صاحبہ (کِسی قدر ادب سے ان کا نام لے رہا ہوں) کو

میرا اسلام پہنچے۔ خدا کرے میرے خط پہنچنے تک آپ کی تشویش مجید صاحب کے بارے میں دُور ہو چکی ہو۔ اور آپ اطمینان سے مجھے اِن کا اور اپنا اور احباب و اقربا کا حال بتا سکیں۔

آپ کا خاکسار بھائی

بخاری

بیگم فیض کے نام

لنڈن

۲۹ اپریل ۱۹۵۶ء

پیاری ایلیس!

سخت تعجب ہے کہ تم میرا القاب صرف "بخاری" لکھتی ہو۔ نہ مسٹر، نہ صاحب، نہ پروفیسر، تم عورتیں ہم مردوں کے برابر کب سے ہوئی ہیں۔ جو یہ بے تکلفی برتنے لگیں۔ بچے بڑوں کے ہمسر کب سے ہوگئے۔ کب سے۔۔۔۔
لیکن خیر اتنا ہی کافی ہے۔ میں ہمیشہ سے مختصر ڈانٹ کا قائل ہوں جو شفقت اور قرینے سے پلائی جائے۔ اس کا اثر زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں۔ کہ تم ابھی سے اپنے کئے پر نادم اور آئندہ کے لئے مؤدب اور محتاط رہنے کا عہد کر چکی ہو۔

تو پیاری ایلیس تمہارے خط سے بہت مسرت ہوئی۔ لاج[1] (LODGE) سے جو خط آتے ہیں۔ ان میں اکثر تم سے قبل ملاقات کا ذکر رہتا ہے۔ کہیں تم نے میری یہ بات

---

[1] لاج ۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج کے پرنسپل کی رہائش گاہ۔ جہاں اس زمانے میں بخاری صاحب مقیم تھے۔

پلّے تو نہیں باندھ لی۔ کہ میرے بعد 'بوبی' (زبیدہ ؓ) کا خیال رکھنا۔ وہ تو یونہی اپنی تشویش کی جانب اشارہ تھا۔ اور مجھے امید ہے تم اس کی پیروی میں بہت وقت نہیں گنوا رہی ہو۔ بہر صورت اہل بخارا کے لئے تمہاری محبت کا شکر گزار ہوں۔ تمہارے گھر کو اکثر احسان مندی سے یاد کرتا ہوں۔ کہ شہر کا سب سے رفیق گوشہ وہی ہے۔

بہت اچھا ہوا کہ تم نے یاد کر لیا۔ جی چاہتا تھا کہ کہیں سے (فیض) گھر لَنے کی خبر آئے اور میں جانتا تھا۔ کہ وہ خود تو کبھی لکھے گا نہیں۔ شاعرِ مست جو ٹھہرا، کیوں؟ کہیں سے سُنا تھا۔ کہ اسے جیل بھیج رہے ہیں جہاں سادہ پانی اور نان جویں سے اس کی تواضع کریں گے۔ پھر سُنا کہ اپنی بات سے پھر گئے ہیں۔ اور میزبانی کی پیشکش واپس لے لی ہے۔ ٹھیک سے کہہ نہیں سکتا۔ کہ کِس بات پر زیادہ ہنسی آئی۔ اِس پر کہ اسے بند کر رہے ہیں۔ یا اس پر کہ نہیں کر رہے۔ دوسری بات یہ ہی سمجھو اگرچہ وہ تو راہِ حق میں کام آنا زیادہ پسند کرتا لیکن میں اور تم (کہ حرص و آز کے بندے ہیں) غالباً یہی چاہیں گے کہ وہ ہمارے پاس ہی رہے۔ اِس کے بجائے کہ اسے دیکھنے کے لئے فارم پُر کرتے پھریں۔ ویسے وہ تو تمہارے پاس رہے ہی؟ میرا مطلب ہے پہلے سے زیادہ۔ اب میں جو دہلی نہیں ہوں۔ اُمید تو یہی ہے اور یوں نہیں تو پھر؟

بیگم بخاری۔

یہاں موسم مستقل خوشگوار ہے۔ کیو (K E W) باغ میں "گارڈینیا" میگنولیا
اور چیری کے شگوفوں سے آگ سی لگ رہی ہے۔ لیکن یہاں کے لئے تمہارا دل
بہت ترسنے لگے تو یہ بھی سُن لو کہ یہاں زندگی واقعی کٹھن ہے۔ میری سمجھ
میں نہیں آتا۔ کہ جن گھر والوں کی آمدنی آٹھ دس پونڈ فی ہفتہ سے زائد
نہیں۔ وہ بسر کیسے کرتے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں کمیاب ہیں اور جو ہیں
انہیں پکانے میں غارت کر دیتے ہیں۔ لوگ لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ میرے
آپ کے سامنے چیزیں یوں لا کے ٹپکتے ہیں۔ کہ میاں لو جی چاہے تو اٹھا
لو ورنہ ہوا کھاؤ۔

آج کل لندن میں لنکا شایئر (L A N C H I S H I R E) والوں
کا ہجوم ہے اور شاہی جوڑے کی شادی کی نقرئی سالگرہ کے جلوس
(ہائے کیسی پیاری لگ رہی تھی) گذشتہ ہفتے گرولز سکوائر میں مسز روزویلٹ
اور ان کے خاوند مجسمے کا قصہ تھا (مجسمہ اچھا ہے) تو یونہی چلتا ہے۔
لندن شہر آج کل تھیٹر کے دن نہیں۔ لیکن پھر بھی یوں توں شکسپیئر،
برنارڈ شا، گوگل اور شان رڈسی کے کچھ کھیل دیکھ لئے۔ اور کچھ نہایت
ہی عمدہ اطالوی، جرمن اور فرانسیسی فلمیں کچھ کرزن میں دیکھیں۔ کچھ اکادمی
اور سٹوڈیو وغیرہ میں۔ تمہیں تو معلوم ہے کہاں کہاں۔ اگلے دن میں
آڈن (A N D E N) میں ان کی نظمیں سُنتے گیا تھا۔ لوئی میک نیس
(M A C N I E A) نے اہتمام کیا تھا۔ فیض کو سلام بھیجا ہے ــــ
کنگزلے مارٹن سے ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔ کل شام ایک تقریب میں ان

کا انتظار تھا۔ لیکن وہ دکھائی نہیں دیئے۔ ہمارا کام[۳۵] ابھی شروع نہیں ہوا۔ ہندوستانی وفد ابھی نہیں پہنچا۔ تاخیر کی کوئی وجہ تو کسی نے بتائی نہیں۔ یہ یاد کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ کہ خسرہ پھوٹ پڑی ہوگی۔ یا ایسی ہی معصوم اور قدرتی وجہ کوئی اور ہوگی۔ چنانچہ فی الحال آج کل متفرق کام کر رہا ہوں۔

پھپھی (اچھا بھئی سلیمہ ہی سہی) اکثر یاد آتی ہے۔ اسے میرا پیار پہنچا دینا۔ میرا مطلب ہے واقعی پہنچا دینا۔ اور تمہارے دوسرے بچوں کو بھی یا شاید ایک ہی بچہ ہے یاد نہیں رہتا بھئی۔ یہاں سے کوئی چھوٹی موٹی چیز تمہیں چاہیئے تو لیتا آؤں۔ کچھ ہو تو لکھ دینا۔

محبت سے

اے۔ ایس بخاری

---

[۳۵] بخاری صاحب انڈیا آفس لائبریری کی تقسیم کے سلسلے میں لندن گئے تھے۔

منیزہ فیض کے نام

۳ر اوا دیو پیرس نیو یارک
۲۰ر نومبر ۱۹۵۸ء
پیاری منیزہ[1]

کافی عرصہ ہوا۔ تمہارا ۲۶ر اگست کا خط ملا تھا۔ تم میری طویل خاموشی کے باعث جواب سے مایوس ہو گئی ہو۔ تو حق بجانب ہو گی۔ سچی بات یہ ہے۔ کہ ان دنوں میری صحت اچھی نہیں رہی۔ اِس کے باوجود مجھے کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ اِس لئے خط و کتابت کا سلسلہ بند رہا۔ اب میں تندرست ہو گیا ہوں اور تمہارا خط سامنے رکھ کر جواب لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔

میں تمہیں خط اپنے دفتر سے لکھ رہا ہوں۔ جو اقوام متحدہ کے سیکرٹریٹ کی عمارت میں دسویں منزل پر واقع ہے۔ اِس عمارت کی

---

[1] یہ خط فیض احمد فیض کی بچی کے نام ہے۔

اڑتیس منزلیں ہیں ۔ ایک مستطیل سا مینار ہی سمجھو ۔ دُور سے دیکھو تو
ایسی لگتی ہے ۔ جیسے ماچس کی ڈبیا اپنے کناروں پر کھڑی ہو ۔ مطلع
آج اتفاقاً نہایت صاف ۔ سورج کی روشنی کھڑکیوں میں سے اندر
آ رہی ہے ۔ یہ کھڑکیاں دریا کی جانب کھلتی ہیں ۔ جو اُوپر سے نظر
آتا ہے ۔ وہ دریائے ہڈسن کی ایک شاخ ہے ۔ جو یہاں سے
کچھ فاصلے پر بحرِ اوقیانوس میں گرتا ہے ۔ یہاں دریائے ایسٹ
کہتے ہیں ۔ اس وقت جب میں لکھ رہا ہوں ۔ تو بڑی بڑی کشتیاں
اور تیل کے بیڑے دریا میں تیرتے پھرتے ہیں ۔ پانی دھوپ میں
چمک رہا ہے اور وہ نیچے کی طرف مجھے ایک پلوں میں سے ایک
پل نظر آ رہا ہے ۔ جو دریائے ایسٹ پر باندھے گئے ہیں ۔ اِس
پل کا نام ولیمز برگ ہے ۔ ویسے ان سب میں مشہور پُل بُرک لاٹن
ہے ۔ یہ اتنا ہی مشہور ہے ۔ جتنا ہڈسن کی مغربی شاخ پر جارج
واشنگٹن پل ہے جس کی تصویر تم نے دیکھی ہو گی ۔

موسم سرما کی آمد آمد ہے ۔ اگرچہ سردی ابھی بہت ہلکی ہے ۔
نیویارک شہر میں ابھی برف نہیں پڑی ۔ کہیں دسمبر کے آخر اور جنوری
فروری میں پڑے گی ۔ یہاں خزاں کا موسم سب سے دلکش ہوتا ہے
امریکی لوگ اسے "FALL" گرنا کہتے ہیں ۔ یہ ستمبر میں ہوتا ہے ۔
اس موسم میں درختوں کے پتے پہلے زرد اور پھر تانبے کی طرح
سُرخ ہو جاتے ہیں ۔ جنگلوں میں جیسے آگ سی لگ گئی ہو ۔ جہاں

کہیں درخت اُگے ہوتے ہیں ۔ وہ جگہ بس رنگریز کا کارخانہ معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے اِس نے پیارے پیارے رنگوں میں کپڑے رنگ کر سوکھنے کے لئے پھیلا دیئے ہوں ۔ بڑی سڑک کے دونوں طرف دور دور تک دونوں طرف قدرتی مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ سڑک پر گاڑی چلانے میں بڑا لطف آتا ہے اور جی چاہتا ہے ۔ کہ گھنٹوں ان گھنے جنگلوں میں بیٹھ کر نالاؤں اور جھیلوں میں پڑے ہوئے آتشیں رنگ کے درختوں کے عکس کا نظارہ کیا جائے۔
اس سال بھی فصلِ خزاں خوب رہی ۔ عام طور پر موسم خوشگوار رہا کئی روز تک جنگلوں میں گھوما جا سکتا ہے ۔ اور سیر کی جا سکتی تھی۔

جب تم نے مجھے خط لکھا تو تمہاری امّی ولایت سے واپس آ چکی تھیں ۔ اور آیا ابھی وہیں تھے ۔ اب تک تو وہ بھی لوٹ آئے ہوں گے ۔ انہیں میرا سلام کہنا اور چھیمی کو پیار دینا ۔ مجھے یہ بھی بتانا کہ تم نے تیرنا سیکھ لیا ہے یا نہیں ۔ اگر نہیں تو اس کی مشق کرتی رہو ۔ یہ ایک ایسی تفریح ہے جو حاصل نہ کی جائے تو زندگی میں ایک خلا سا محسوس ہوتا ہے ۔ تمہارا ہنڈ کلیا تو خوب چلتا ہو گا۔

جب جی چاہے مجھے خط لکھنا
مگر لکھنا ضرور۔

اور دیکھو سب کو میری جانب سے ایک بار پھر

پیار دینا ۔ بھولنا مت ۔

تمہارا پیارا
اے ۔ ایس ۔ بخاری